قضیۃ الحدیث فی حجیۃ الحدیث | از مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی مدرس مدرسہ اہلِ حدیث تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ۳ر پتہ بزم توحید مدن پورہ بنارس

مسلمانون مین ایک طبقہ احادیث نبوی کی صحت اور اُس کی حجیت کا منکر ہے، اس کی تردید مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی نے اس موضوع پر تقریر فرمائی تھی، اسی کو کتابی شکل مین شائع کر دیا گیا ہے اس مین احادیث کی اہمیت اسکی صحت اور حجیت کے دلائل دئے گئے ہین، جو زیادہ تر پیشین گوئی کی احادیث پر مشتمل ہین، اس سے انکار نہین کہ پیشین گوئیون کی صحیح احادیث بھی ہین لیکن تنہا پیشین گوئی کی صحت کسی چیز کی صداقت کا معیار نہین ہے، اس کے علمی دلائل دوسرے ہین جن کی جانب مولانا نے توجہ نہین فرمائی ہے، اور تعجب یہ ہے کہ مولانا نے وحشت ہو کر رطب و یابس احادیث مین امتیاز نہین فرمایا ہے حتی کہ اپنے مسلک آمین بالجہر کے جھگڑے کی پیشینگوئی بھی حدیث سے ڈھونڈ نکالی ہے، کم از کم اس کتاب کو جو حدیث کی حجیت پر لکھی گئی ہے، اس قسم کی "صحیح" احادیث سے خالی ہونا چاہئے تھا، غالباً مولانا نے یہ تقریر عوام مین کی تھی اور یہ کتاب بھی عوام ہی کے مطالعہ کی ہے، لیکن نام ایسا رکھا ہے کہ جسے خواص بھی بغیر لغت کے نہیں سمجھ سکتے، البتہ اس نام کی یہ کتاب بادن ہو گئی ہے،

مجموعۂ رباعیات حکیم صوفی محمد عبد اللہ خان صاحب مضطر ٹونکی مرحوم تقطیع جیبی، ضخامت ۴۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت تحریر نہین، پتہ:- حکیم صوفی محمد یونس صاحب محلہ رجبن ریاست ٹونک راجپوتانہ،

مصنف جیسا کہ اُن کے نام اور کلام سے بھی ظاہر ہے ایک صاحب دل صوفی تھے، فارسی مین مشق سخن کرتے اور حکیم و صوفی شعراء کے طریقہ پر زیادہ تر رباعی کہتے تھے، اس مجموعہ کی تمام رباعیان اخلاقی تعلیمات اور عارفانہ و حکیمانہ مضامین و مسائل پر مشتمل ہین، آخر مین چند نظمین اور غزلین بھی ہین، اُن کی زبان مین اہل زبان کی شیرینی و لطافت اور کلام مین پُرانے اساتذہ کی پختگی ہے، کتاب کے شروع مین اس کے ناشر ہدایت اللہ خان صاحب کے قلم سے مصنف کے مختصر حالات ہین،

"م"

جلد ۶۲ ماہ شوال المکرم و ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۸ء عدد ۳

مضامین

شذرات

اردو ہندی کا قصہ تو ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کے بعد ختم ہو چکا، اب ہندی اور ہندوستانی کا قصہ چل رہا ہے، معارف کے پرانے پڑھنے والون کو معلوم ہے کہ مین نے سمجھوتے کے طور پر ہمیشہ ہی ہندوستانی کی تائید کی ہے، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستانی کی تحریک چلانے والا اگر مین اکیلا نہین تو اس کے چلانے والون مین سے ایک مین بھی ہون، آخر ۱۹۴۵ء مین وہ دن بھی آیا جب گاندھی جی نے بھی اس کو مان لیا، اور انھون نے وردھا مین اس کے لئے ایک جلسہ بلایا، جس مین ہندو اور مسلمان دونون ہی تھے، اور اس مین ہندوستانی کو ہندوستان کی عام زبان بنانے کی تجویز سوچی اور مانی گئی،

اس جلسہ مین بہت سے ہندو اور مسلمانون نے اپنی اپنی تقریرین کین جو ہندوستانی پرچار سبھا کی رپورٹ مین چھپ بھی چکی ہین، اس مین جتنی تقریرین ہوئین وہ اس انداز پر ہوئین، کہ جو کوئی جو کچھ کہے اوس کو سب ہی سمجھین، بڑے مزے کی بات یہ ہو کہ یوپی غالباً پرتاپ گڈھ کے ایک نوجوان نے جن کو لباس سے مین پہلے مسلمان سمجھا بعد کو وہ ہندو نکلے، اپنی تقریر مین یہان تک کہا کہ اس وقت یہان جتنی تقریرین ہوئین، ان مین پوری پوری ہندوستانی سید سلیمان کی تقریر تھی، حالانکہ مین ہندی نہین جانتا مگر بات یہ ہو کہ اردو مین سیدھے اور صاف اور آسان لفظ اتنے ہین کہ اُن کے سہارے سے اچھی خاصی تقریر کی جا سکتی ہے،

اس جلسہ مین گاندھی جی نے ٹنڈن جی کو بھی بلایا تھا، مگر وہ حیلہ بہانہ کرتے رہے اور آخر تک نہین آئے، اور پھر ہندی اخبارون مین ہندوستانی سے اپنا اختلاف صاف صاف ظاہر کر دیا، اور اب بھی وہ اسی پر اڑے ہین، اُن کے جی کی بات یہ ہو کہ ہندوستان ہندوؤن کا ملک ہو، اس کی بولی بھی وہی ہونی چاہیے جو ہندوؤن کی ہو، مگر ہم اُن کی اس بات کو اگر مان بھی لین تو بھی یہ بات نہین مانی جا سکتی کہ وہ ہندی یعنی سنسکرتی ہندی جس کو وہ ہندوؤن کی بولی بتاتے ہین

وہ حقیقت مین آج بھی جب ہندی کا اتنا پرچار ہو چکا ہے کسی صوبہ کے بھی ہندوؤن کی مادری بولی ہے، جب جی چاہے بیچ کے کسی جلسہ اور ملاقات مین اس کا تجربہ کر لیجئے، باقی ہندی کے اخبارون اور کتابون مین جو بولی لکھی جا رہی ہو وہ بناوٹ سے چند سال سے لکھی ضرور جا رہی ہے، مگر بولی کہین نہین جاتی،

معلوم نہین یہ سنسکرتی ہندی والے ہندوستانی کو کیا سمجھتے ہین، حالانکہ یہ اس بولی کا نام ہو جس کو ہم آسان اردو اور آسان ہندی دونون کہہ سکتے ہین، اور جس کو ہندو اور مسلمان بول رہے ہین، ہم نے کبھی کبھی ریڈیو پر گاندھی جی، راجندر بابو، جواہر لال، پنڈت پنت، بلکہ پٹیل صاحب کی تقریرین سُنی ہین، ابھی کچھ دنون پہلے ۱۴ راگست کی رات کو پنت جی کی تقریر غلّہ اور کپڑون کے کنٹرول پر تھی، یہ پوری ہندوستانی تھی جس کو اردو اور ہندی دونون کے جاننے والے اور دیہات اور شہر دونون کے رہنے والے برابر سمجھ سکتے تھے، کہین کہین ان مین زبردستی سنسکرتی ٹائپ کا کوئی لفظ آجایا کرتا تھا، مگر صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ آورد ہے آمد نہین یعنی اوس کو لایا گیا ہے، یہ خود آیا نہین ہے،

کانگریس کی پہلی وزارت کے زمانہ مین صوبہ بہار کی وزارت تعلیم نے ملک کے اردو اور ہندی ادیبون کی ایک کمیٹی بنائی تھی، جو ہندوستانی زبان کی صرف و نحو کے قاعدے لکھے، ڈکشنری تیار کرے اور علمی اصطلاحون کو بنائے، یہ کام پٹنہ مین کئی سال تک ہوتا رہا اور سب کچھ جب بن کر تیار ہو چکا تو حکومت بدل گئی، خیال تھا کہ اب جب کانگریس کی آزاد حکومت قائم ہو گئی تو پھر اسی بنیاد پر زبان کا سوال طے ہو جائے گا، مگر معلوم ہوا کہ ملک کی آزادی پاکر بعض ناسمجھ اس بنے بنائے کام کو بھی بگاڑنے مین لگے ہین، ۹ رجولائی کو بہار کے موجودہ وزیر تعلیم سے ملنا ہوا جو خود بھی ہمارے ساتھ اس ہندوستانی کمیٹی کے ممبر اور اس کام مین شریک تھے، تو معلوم ہوا کہ سارا معاملہ ابھی تک جیون کا تیون ہو، اور ابھی تک فیصلہ نہین ہو سکا ہو، کیا عجب ہو کہ وہ بہار ہی اس اردو ہندی کے سوال کو حل کرے جہان پہلی دفعہ یہ جھگڑا انگریزون نے کھڑا کیا تھا

مجھے گذشتہ جولائی کے بیچ مین بہار کے محکمۂ تعلیمات کے بلاوے پر رانچی جانا پڑا، بھوپال سے لکھنؤ پھر اعظم گڈھ پھر پٹنہ اور پٹنہ سے رانچی تک راہ مین ہر جگہ مسافرون سے ملنے اپنے ہمسفرون سے باتین کرتے، ٹکٹ لینے، ٹکٹ دینے، سودا کرنے مین یہی بولی سُنائی دی اور وہی لوگون کو بولتے اور سمجھتے سُنی اور دیکھی، جس کا نام ہندوستانی کے سوا دوسرا نہین ہو سکتا، پھر کیا یہی بولی دفترون، اسمبلیون، کونسلون، اور یونیورسٹیون مین نہین بولی جا سکتی ؟

جولائی کے پرچہ مین ہندو کلچر کی بات میرے قلم سے نکلی تھی، وہ اخبارون مین چھپی، اور اس پر کچھ سوال وجواب بھی ہوئے، مگر ابھی تازہ سفرون مین میرے سامنے بعض ایسے منظر گذرے کہ جن سے میری بات کی سچائی کھلی کھلی معلوم ہونے لگی، ابھی تین مہینے ہوئے مجھے اناؤ جانا ہوا، بعض ہندو دوستون نے اپنے ہان شام کو چائے پر بلایا، ہندو مسلمان عیسائی اور سکھ سبھی تھے، کرسیون پر نشست تھی، میزون پر کھانے کی چیزین چائے کی پیالیان اور شربت کے گلاس تھے، سب مل کر ایک ساتھ کھا رہے تھے، غور سے دیکھا تو کھانے کی چیزون مین کھانے کے سامان اور برتنون مین ہندو مسلمان کا کوئی فرق محسوس نہیں ہوا، اتنے مین مغرب کا وقت آگیا، میزبان نے ایک کمرہ بتایا، اس مین کھدر کی صاف سپید چادر بچھی تھی، ہم نے اس پر فرض کی نماز پڑھی، ہندو نوکر چاکر جو ادھر سے گذرتے ہم کو نماز پڑھتے دیکھکر ادب سے پیچھے ہٹ جاتے، یہ دیکھ کر مین تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا، کہ مین اس وقت کسی مسلمان کے گھر مین ہون یا ہندو کے،

رانچی سے چل کر گوموا سٹیشن پر ڈھمروا کسپریس پر بیٹھا، اس ڈبے مین دو تین، مدراسی ہندو اور ایک مدراسی رومن کیتھولک پادری اور ایک دو بہار یا یوپی کے ہندو تھے، عجیب تماشا تھا کہ ان مدراسی ہندؤون سے، لباس مین بول چال مین سر کے بالون مین ادھر کے ہندؤون کو کوئی مناسبت نہ تھی، ہم مین آپس مین بات چیت ہو رہی تھی، مگر مدراسیون نے ہماری، اور نہ ہم نے ان کی طرف توجہ کی، کیونکہ وہ نہ ہماری، اور نہ ہم ان کی سمجھ سکتے تھے، ان کو دیکھکر نظر آیا کہ صوبہ صوبہ کی تہذیب اور کلچر تو الگ ہے، مگر مذہبی عبادات و رسوم، یا بعض اور بھی چیزین، جیسے ہندو لٹیا اور مسلمانی لوٹے کا فرق تو تھا، مگر جتنا اودھ کے ایک ہندو کو اودھ کے ایک مسلمان سے قرب ہے اتنا اودھ کے ایک ہندو کو مدراس یا بنگال کے ہندو سے نہیں، اب جب چاہین اس کو آزما کر دیکھ لین،

اتو ہی جو نمبر آیا، رمضان کا دن تھا، ایک صاحب آئے ادھیڑ عمر، تن و توش والے، داڑھی مونچھ صاف، قمیص شیروانی اور ڈھیلا پاجامہ، سر پر دیسی شیروانی کے کپڑے کی کشتی نما ٹوپی، شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے، چہرہ پر تھوڑی سی بدحواسی، ایک ہاتھ مین بڑے رومال مین دو تین کھانے کی پوٹلیان بندھی ہوئی، جس مین سے پریشانی مین شوربے کا دھبہ شیروانی کے دامن پر ٹپک پڑا تھا، مجھے ذرا بھی شبہہ نہین ہوا کہ یہ مسلمان نہیں ہین، یہی سمجھا کہ مسلمان ہین روزہ کا دن ہے کھانے کا سامان ساتھ ہے، بات چیت کسی چیز مین فرق محسوس نہیں ہوا، لکھنؤ کے قریب آکر نام سن کر یا کسی اور طریق سے معلوم ہوا کہ ہندو ہین، اسی سفر مین راجہ عظمت گدہ (اعظم گڈہ) کے خاندان کے ایک صاحب بھی ساتھ تھے، ملازم نے چاندی کا خاصدان لا کر ان کو دیا، انھون نے خاصدان تمباکو کی ڈبیا اور الائچی سب کے سامنے پیش کی، مدراسیون کے سوا کہ انھون نے قبول ہی نہیں کیا، کسی نے لیا اور کسی نے نہیں لیا، اور جس نے لیا سب نے ایک طرح سے آداب کہکے ان کا شکریہ ادا کیا، اب مین سوچ مین پڑ گیا کہ وہ **ہندو کلچر** کون سا ہے جس کی منڈی جی مسلمانون کو دعوت دیتے ہین (انکو تو چاہئے کہ پہلے مدراسی ہی کو اپنے فرضی ہندو کلچر کی دعوت دین،

مقالات

ہندوستانی کی اصلیت اور اس کے کچھ اصول

اب سے دس بارہ سال پہلے حکومت بہار نے ہندوستانی زبان کے سلسلہ مین ایک کمیٹی بنائی تھی، جس مین گاندھی جی کی خواہش کے مطابق عبدالحق راجندر پیکٹ ہوا تھا، اس کے ایک ممبر حضرت الاستاذ مدظلہ بھی تھے، موصوف نے اس سلسلہ مین عرصہ ہوا ہندوستانی زبان کی اصلیت اور اس کے اصول پر ایک مختصر بنیادی یادداشت تحریر فرمائی تھی، گو اب صوبائی حکومتون نے ہندی کو سرکاری زبان قرار دے دیا ہے، لیکن کانگریس ابھی تک ہندوستانی ہی کو ملک کی زبان مانتی ہے، اور دستور ساز اسمبلی مین بھی اس کے متعلق آخری فیصلہ نہیں ہوا ہے، اور مرکزی حکومت کو اس مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ہے، اس لئے ہم اس یادداشت کو شائع کرتے ہین، اگر کانگریس اور مرکزی حکومت درحقیقت ہندوستانی کو ملک کی زبان بنانا چاہتی ہے، تو اس یادداشت سے اس مسئلہ کے حل مین مدد مل سکتی ہے، کاش ہمارے صوبہ کی حکومت کو بھی اس پر غور کرنے کی توفیق ہو، "م"

آج سے سات آٹھ برس پہلے پٹنہ مین گاندھی جی کے کہنے سے جو عبدالحق راجندر پیکٹ ہوا تھا، اس مین ہندوستانی کی تعریف یہ کی گئی تھی،

"یہ وہ بولی ہے جس کو اتری ہندوستان مین ہندو مسلمان روزمرہ عام طور سے بولتے اور سمجھتے ہین، جس مین عربی اور فارسی اور سنسکرت اور ہندی کے بڑے بڑے لفظ نہ لائے جائین، اور جس کو اردو اور

ہندی دونون حروف مین لکھ سکتے ہین،

مین اب بھی ہندوستانی کی تعریف یہی کرتا ہون اور اسی کو ہندوستانی سمجھتا ہون، جہان تک شہرون کا لگاؤ ہے اور لکھے پڑھے لوگون کی بات چیت ہے، بہت حد تک ہندوؤن اور مسلمانون کی زبان ایک ہی سی ہے البتہ گاؤن مین گاؤن کی حالت اور ضرورت اور تعلیم عام نہ ہونے کے سبب سے زبان کی یہ یکسانی نہین ہے یہ دیہاتی بولی بھی جگہ جگہ بدلی ہوئی ہے، ایک اسی صوبہ یوپی کو لے لیجئے تو پتہ چلے گا، کہ انبالہ کے پاس کی بولی سہارنپور سے اور سہارنپور کی دلی کے آس پاس سے اور روہیلکھنڈ کی اس سے اور اودھ کی روہیلکھنڈ سے، اور الہ آباد کی بلیا، غازیپور، اور گورکھپور سے اور پھر بہار پہنچ کر آرہ، پٹنہ، اور ترہت کی بولیون مین لفظون کے کھنچاؤ، لہجہ کے اتار چڑھاؤ اور خاص خاص مقامی لفظون اور چیزون کے نامون مین بہت کچھ فرق ہے، لیکن یہ فرق کچھ ہندوستان ہی مین نہین، دوسرے ملکون کی زبانون مین بھی ہے، مگر تعلیم اور ادب کی زبان ہر جگہ شہرون کی پھیلی ہوئی زبان ہے، نہ کہ دیہاتون کی بولیان جو ایک دوسرے سے کافی فرق رکھتی ہین،

جس بولی کو ہم آج ہندوستانی کا نام دیتے ہین، وہ ہندی کی مختلف شکلون مین سے وہ شکل ہے جو کچھ دلی کے آس پاس بولی جاتی تھی، اور جو راجدھانی کی زبان ہونے کے سبب سے سارے دیس کی بول چال کی زبان ہوگئی، اور جب مین مسلمانون کے میل جول سے کچھ عربی اور فارسی کے لفظ اُن کے مذہبی اور تمدنی ضروریات کی چیزون کے نام جن کا بدل ہندی مین نہین مل سکتا تھا، رل مل گئے ہین جس طرح اس مین ہندوؤن کے رسوم اور دھرم اور شاستر کی چیزین بھی پائی جاتی ہین، اور ہندی اور سنسکرت کے شبد بھی اس کے خزانہ مین موجود ہین، یہی ملی جلی زبان ایک زمانہ سے جس پر صدیان گذر چکی ہین، پورے ملک مین بولی اور سمجھی اور پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ اس کو صاف کرکے اور نکھار کر ہم اور بھی اس کو اپنی آنے والی ملکی اور قومی ضرورتون کے مطابق بنالین، اور اس کو عربی اور فارسی اور ہندی اور سنسکرت بنانے کی جگہ خالص ہندوستانی روپ مین پیش کرین تاکہ ہندوستان کی ہر قوم اس کو اپنا سکے،

ہمارا یہ کام اس لئے اور زیادہ آسان ہوگیا ہے کہ ہم نے بہار کی ہندوستانی کمیٹی مین اس کو بہت کچھ سوچ سمجھ لیا ہے، اور اس کام کے بہت سے کٹھن راستون کو طے کرلیا ہے، اور ہر علم و فن کی اصطلاحون کا بڑا ذخیرہ اکٹھا کر لیا ہے، اور اب یہ ساری چیزین ہمارے سامنے ہین، اس کام کے کرنے مین یہ اصول اور قاعدے ہمارے سامنے رہے ہین،

۱- ہندی اور سنسکرت کے وہ سب لفظ جو اردو بول چال مین آگئے ہین، وہ ہندوستانی کے لفظ ہین،

۲- اسی طرح عربی اور فارسی کے وہ سارے لفظ جو ہندی لٹریچر مین آگئے ہین، وہ بھی ہماری ہندوستانی کے لفظ ہین،

۳- اس ہندوستانی مین ہندی اور سنسکرت اور عربی اور فارسی، یا انگریزی و پرتگالی کے لفظ جس شکل اور لہجہ مین بولے اور لکھے جاتے ہین، وہی ہندوستانی کے صحیح لفظ ہین خواہ وہ اصل زبانون کے قواعد اور گرامر کے لحاظ سے غلط ہی کیون نہ ہون، ہم نیچے مثال کے لئے کچھ لفظ دیتے ہین،

برس ہندی کا ہین ورش، برسات، برکھا رت ہے، گن، گنتر چاہے برہمن، برہمنتر ہے، لیکن اب ہندوستانی مین ورش، برکھارت، گنتر، اور برہمنتر بولنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بلکہ برس، برسات، گن، اور برہمن ہی بولنا چاہئے،

ہم ہندوستانی مین مشکور، محاذ، اوقات، طرح، رقم، جنس، دولت، مویشی، محافظ، امیر غریب بولتے ہین، حالانکہ عربی گرامر اور لغت سے یہ سب یا غلط ہین یا عربی مین اُن کے دوسرے ہی معنی ہین یہ لفظ عربی کے ضرور ہین، مگر اُن کی یہ شکل یا اُن کے یہ معنی عربی مین نہین، بلکہ یہ خالص ہندوستانی ہین لیکن اب یہ ہمارے ہندوستانی کے صحیح لفظ ہین اور اُن کے معنی بھی ہندوستانی مین صحیح ہین،

دیہات، رسیدات، آرایش، مالگذاری، سرکار، فارسی لفظ یا ہندی لفظ کی فارسی شکلین ہین، مگر ان شکلون مین اور ان معنون مین خالص ہندوستانی ہین، ایران کے لوگ اُن کو سمجھ بھی نہین سکتے،

اسی طرح ریل، لالٹین، نمبر، الماری، پاؤروٹی یورپ کی زبانون سے آئے ہین، مگر اُن کے یہ معنی ہم ان کی یہ شکل خالص ہندوستانی ہے، اب ہم ریل گاڑی چھوڑ نہین سکتے، اور نہ اب لالٹین کی جگہ لینٹرن اور نمبر کی جگہ نمبر اور الماری کو الماری اور پاؤروٹی کو پون بولین گے،

اس کا حاصل یہ ہوا کہ ہندوستانی ایک مستقل زبان ہے، یہ ہندی یا سنسکرت، یا عربی یا فارسی یا انگریزی کی بگڑی ہوئی شکل نہین ہے، دوسری زبان کا جو لفظ بھی اس مین آئے گا، اُس کی وہی شکل ہندوستانی ہوگی، جس کو ہم ہندوستانی والے جانتے پہچانتے ہین، ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے، اور یہی فطرت کا اصول ہے،

۴- اس ہندوستانی زبان کو جن قومون نے اپنایا ہے، وہ قومین مذہب اور تمدن، اور کلچر کے لحاظ سے الگ الگ ہین، اس لئے ان کے مذہبی تمدنی اور رہنے سہنے کھانے پینے، اوڑھنے بچھانے کے بہت سے سامان ایک دوسرے سے الگ الگ ہین، اس لئے ہر قوم کو حق ہے، کہ وہ اپنے لئے ان لفظون کو قائم رکھے، جیسے مسلمانون کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جنازہ، تلاوت، رکوع، سجود، قیام، مسجد، لحاف، رضائی، توشک، عمامہ، صدری، پلاؤ، قورمہ، کباب، وغیرہ سیکڑون لفظ ہین، اسی طرح ہندو دھرم کے لفظ سندھیا، پوجا، مندر، آرتی، آواگون، بیکنٹھ، جاترا، وغیرہ سیکڑون لفظ ہین، اسی طرح عیسائیون کے لئے گرجا، پادری، بپتسمہ وغیرہ اُن کے جو لفظ ہین وہ جون کے تون رہین گے،

۵- ہندوستانی لفظون کی جانچ پڑتال کی کسوٹی بازار کا چلن اور اس وقت کی بول چال کی صورت ہوگی نہ کہ شبد ساگر اور قاموس کے صفحون سے اُن کی درستی کیجائیگی،

۶- اصطلاحون کے بنانے مین یہ قاعدہ بنایا گیا ہے، کہ جہانتک ہوسکے ہندوستانی لفظون سے اصطلاحین بنائی جائین، اگر نہ بن سکے تو دوسری زبانون سے خواہ وہ کوئی ہو، ایسا آسان لفظ لیا جائے، جو ہندوستانی مین چل سکے، اور اگر ایسا نہ مل سکے، تو پھر اردو والے کوئی اپنی پسند کا اور ہندی والے

اپنی پسند کا لفظ رکھین، ہندی مین ہندی اصطلاح لکھکر دو لکیرون کے بیچ مین اردو اصطلاح، اور اردو مین اردو اصطلاح لکھ کر دو لکیرون کے بیچ مین ہندی اصطلاح لکھی جائے،

۷- اس وقت ہماری بول چال مین جتنے ایسے لفظ ہین جو چلن مین ہین، اور بول چال مین آتے ہین، اور جن کو عام طور سے بولا اور سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ کسی زبان کے ہون وہ سب ہندوستانی ہین،

۸- اس بات کی کوشش کی جائے کہ ایسے لفظون مین بولا چالا جائے اور لکھا پڑھا جائے جس کو زیادہ سے زیادہ آدمی سمجھ سکین، ہندو بولتے، اور لکھتے وقت یہ دھیان رکھین کہ اُن کی بولی ایسی ہو جس کو مسلمان بھی سمجھیں، اور مسلمان بولتے اور لکھتے وقت یہ خیال مین رکھین، کہ اون کی بولی کو ہندو بھی سمجھ سکین،

۸- ہندی، سنسکرت، فارسی، اور عربی کے جو لفظ جن معنون مین ہندوستانی مین بولے اور سمجھے جاتے ہین، وہ ان ہی معنون مین باقی رکھے جائین، جیسے "سمان" کا ہندی لفظ، ہندوستانی مین ایک خاص معنی رکھتا ہے، جیسے "اُس وقت کا عجیب سمان ہے"، اسی طرح "عالم" کا عربی لفظ ہے، جس کے ہندوستانی مین کبھی خاص معنی ہوتے ہین، جو عربی مین نہین، جیسے "اُس وقت عجیب عالم تھا"، "یا یہ آپ کا عالم کیا ہے" یہ دونون لفظ گو ہندی اور عربی محاورہ کے لحاظ سے غلط ہین، لیکن ہندوستانی مین صحیح ہین،

۹- کسی عربی یا فارسی لفظ کو اس لئے نکالا نہ جائے کہ وہ عربی یا فارسی ہے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے، یا نہین، جیسے معاملہ، مقدمہ اور کچہری کے جو لفظ ایک زمانہ سے چل رہے، اُن کو دیہاتی تک اُن کو سمجھتے ہین اُن کے نکالنے کی اس لئے کوشش کرنا کہ وہ بدیسی ہین، زبان کی ترقی کی چال کو سیکڑون برس پیچھے ڈھکیل دینا ہے، ایسے ہی ہندی اور سنسکرت کے لفظ اگر بول چال مین ہین، تو ہم کو انھین نکالنا نہین چاہئے، جیسے پریم، شانتی، درشن، بھگت، تیرتھ، جاترا،

غرض ہندوستانی کو ایک خود مختار زبان مان کر ہم کو اس کا کام شروع کرنا چاہئے، اور

جہان تک یہ زبان اپنے لفظ اور محاورون کے ساتھ ہندوستان مین بڑھ اور پھیل چکی ہے، اوس سے اس کو گرانے کی جگہ اوس کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ہمارے بزرگون نے صدیوں کی محنت مین اپنے میل جول کی جو یادگار چھوڑی ہے، اُس کے مٹانے کے درپے نہ ہونا چاہئے،

ہندوستانی زبان کے نمونہ کے لئے اردو دانون کے سامنے جو کتابیں رکھی جاسکتی ہین، اُن مین شاہ عبدالقادر صاحب کا قرآن پاک کا ترجمہ، میرامن کی باغ و بہار، انشاء اللہ خان کی رانی کیتکی کی کہانی، میرحسن کی مثنوی سحرالبیان، پنڈت دیاشنکر نسیم کی گل بکاولی، حالی کی بہت سی نظمین، اسی طرح ہندی مین ایسی آسان بولی مین لکھی ہوئی کتابون کے نام ہندی والے بتا سکتے ہین، مناسب ہوگا، اگر ہم ہندوستانی کے نمونہ کے طور پر اس قسم کے لٹریچر کو اردو اور ہندی سے لیکر دونون حرفون مین چھاپین اور لوگون مین بانٹین،

نوائے حیات

جناب یحییٰ اعظمی کے کلام سے صاحبِ ذوق طبقہ پوری طرح واقف ہے، اُن کی پرجوش مذہبی وملی، قومی وسیاسی اور مختلف النوع دلکش و دلپذیر نظمون اور پُرکیف غزلون کا مجموعہ نوائے حیات کے نام سے چھپ گیا ہے، دیوان کے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے مبصرانہ مقدمہ ہے، ضخامت:- ۱۷۵ صفحے، قیمت ۱، للعہ مجلد، ملنے کا پتہ:- دارالمصنفین اعظم گڈھ،

رقعاتِ عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ورقعات جو زمانہ شہزادگی سے بہادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے اس جلد مین جمع کے گئے ہین، اور اُن سے علم وادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقایق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت:- ے ر، ضخامت ۲۰۸ صفحے،

"منیجر"

تصوّف وسلوک کی تجدیدات

از

جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی

کتاب جامع المجددین کے سلسلہ کے اب تک جو مضامین (قومیات وسیاسیات، تجدید تبلیغ اور تجدید تعلیم) معارف اور الفرقان کے ذریعہ سے پیش کئے جاچکے، اُن کا تعلق زیادہ تر ملی و جماعتی مسائل کی تجدیدات واصلاحات سے تھا، لیکن تصوف وسلوک کا تعلق براہ راست نفس دین اور افراد دین کے کمال و تکمیل سے ہے، یعنی تصوف جیسا کہ آگے مفصلاً معلوم ہوگا نام ہے دین کے درجۂ کمال اور افراد دین کی تکمیل یا اس درجۂ کمال کی راہ مین سعی وطلب کا، اس لئے قدرۃً اس کے مباحث زیادہ نازک اور بہت کچھ شخصی وانفرادی ذوق وحال اور تجربہ و تحقیق سے متعلق ہین،

حضرت سید صاحب (مولانا سید سلیمان ندوی) دامت فیوضہم نے اپنی بے شمار مصروفیتون کے باوجود بڑا ہی احسان فرمایا، کہ راقم عاجز کی درخواست پر اس مضمون کو غایت توجہ کے ساتھ لفظاً لفظاً بنظر اصلاح ملاحظہ فرمالیا، اور حرف "س" اپنے افاداتِ اصلاحیہ مین درج فرمادیا ہے، احسن اللہ جزاءھم، دیگر حضرات خصوصاً حضرت علیہ الرحمۃ کے اکابر نسبت وعقیدت سے بھی التجا ہے، کہ راقم بدحال کی تمامی غلطیون اور کوتاہیون پر متنبہ فرماکر ممنون فرمائین، عند اللہ ماجور ہون، بجائے خود بھی ان اکابر پر حق ہے، کہ حضرت کی ترجمانی مین تا بہ امکان

سہو و خطا کو راہ نہ پانے دین،

حضرات علما و صوفیہ اور قدیم و جدید مذاق کے اہل علم و ذوق انشاء اللہ سب اس حصہ کے مباحث مین نئی اور پرانی طرح طرح کی غلطیون اور غلط فہمیون کے ازالہ اور اصلاح کے ساتھ ساتھ بہت سے دلچسپ معلومات و تحقیقات کو بھی پائین گے، اس لئے اسی ایک حصہ کو اور بھی خصوصیت کے ساتھ کتاب سے پہلے معارف کے ذریعہ اہل معارف کی خدمت مین پیش کر دینے کا جی چاہا،

باقی الحمد للہ کہ اصل کتاب نظر ثانی اور تبییض وغیرہ کے اپنے اختیاری مراحل سے گذر کر مکمل ہو چکی ہے، لیکن اس زمانہ مین تالیف و تصنیف کے مراحل سے بہت زیادہ سخت طباعت و اشاعت کا ہفت خوان ہے، حد یہ کہ لکھنؤ مین قریبًا سال کا سال ہو گیا، کہ اس مدت مین لکھنے اور مسودہ صاف کرانے کا کاغذ بمشکل ایک دستہ دستیاب ہوا، پہلے کا کچھ ذخیرہ تھا جس پر لکھنے کا کام چلتا رہا، اور ایک محترم کرمفرما نے اپنے خاص اندوختہ سے کچھ عطا فرمایا تب مسودہ صاف ہو سکا، اب تحریر و تبییض کے اختتام کے ساتھ ہی ان دونون ذخیرون کا آخری ورق بھی ختم ہے،! والسّلام

"عبد الباری"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف کی حقیقت بظاہر کتنی عجیب بات ہو کہ تصوف ایک طرف تو کمال دین یا درجۂ احسان ہے جو اسلام و ایمان کا بلند ترین مقام ہے، اور حضرات صوفیہ یا اولیاء اللہ کی نسبت تصور یہ ہے، کہ ان کو حق تعالیٰ کی بارگاہ مین قرب و قربیت حضور و معیت کا جو مقام حاصل ہوتا ہو وہ خالی علوم ظاہری کے حاملین بڑے بڑے فقہاء و محدثین کو بھی نہین ہوتا، اُن کو اپنی زندگی کے سارے اعمال و افعال حرکات و سکنات مین ایک ایسی نسبت میسر ہوتی ہے کہ گویا وہ ہمہ وقت اللہ کے مشاہدہ و حضوری مین ہین، اور کسی نہ کسی نوع کے مکالمہ و مناجات سے بھی مشرف ہین، اس طرح صوفیہ سے بلند درجہ صرف انبیاء علیہم السّلام کا ہے، یہ اولیاء اللہ یا بزرگانِ دین کے بارے مین عوام ہی کا عقیدہ نہین، بلکہ خواص و محققین کے ہان بھی کسی نہ کسی صورت مین مسلم ہے،

لیکن دوسری طرف تصوف کے متعلق اور تصوف کی راہ سے جتنی غلطیان، غلط فہمیان، بلکہ طرح طرح کی گمراہیان امت مین پھیلی ہین، فرق اسلامیہ اور علوم اسلامیہ مین شاید ہی کسی فرقہ یا علم و فن کی راہ سے یا اس کے متعلق پھیلی ہون، بدعات و خرافات، اباحت و الحاد، کفر و شرک تک کی کوئی شکل شکل ہی سے بچی ہو گی، جس کو کوئی نہ کوئی داخل تصوف بلکہ عین تصوف نہ جانتا ہو، اسی بنا پر بہت سے اکابر اسلام تصوف کے سرے سے منکر ہو گئے، یا اسکو سراپا ضلالت قرار دیدیا،

بات یہ ہے کہ کسی شے کے کمال کا تعلق ہمیشہ اس کے ظاہر سے زیادہ باطن، کم سے زیادہ کیف، قشر سے زیادہ مغز یا جسم سے زیادہ جان اور صورت سے زیادہ معنی سے ہوتا ہے، ساتھ ہی جس شے مین جتنا زیادہ کیف و بطون ہوتا ہے، اتنا ہی اس کی نسبت غلطیان اور گمراہیان زیادہ راہ پا جاتی ہین، پھر ظاہر ہے کہ جس غلطی و گمراہی کو دین ہی نہین کمال دین سمجھ لیا جائے، اس کی جڑ کتنی گہری ہو گی، اور اس کا استیصال کتنا دشوار ہوگا، یہی وجہ ہے کہ تصوف کی راہ سے شرک و الحاد تک کی جو گمراہیان مسلمانون مین جڑ پکڑ گئین، اُن کو چونکہ عین دین یقین کیا جانے لگا، اس لئے ان کا ازالہ آسان نہین ہوتا،

عوام اور بہت سے خواص سب کو کیسے کیسے مغالطے ہین، کہ کوئی کشف و کرامات اور تصرفات کو تصوف جانتا ہے، کوئی اشغال و مراقبات اور احوال و کیفیات کو تصوف یقین کرتا ہے، کوئی خاص خاص رسوم و عادات کو تصوف سمجھتا ہے، کسی کے نزدیک تصوف نام ہے ریاضیات و مجاہدات اور ترک تعلقات کا، کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج تصوف سے مراد وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے نظریات لیتا ہے، اور کوئی اس کو اسرار

وظیفیات کا مجموعہ قرار دیتا ہے، حتی کہ اہلِ مغرب نے اس کا نام ہی سٹریت (مسٹزم) رکھدیا، خود مسلمانوں میں بھی بہتوں نے اس کو ایک سینہ بسینہ ہتریا راز ہی بنا رکھا ہے، اور سب گمراہیوں سے بڑی گمراہی میں مبتلا وہ ہیں جنھوں نے تصوف اور طریقت وحقیقت ومعرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کر لیا۔

اس طرح کی تمام گوناگون اغلاط کو ایک ایک کرکے دور فرمایا گیا ہے، لیکن یہ تجدید تصوف کا صرف سلبی پہلو تھا، اصل تجدیدی کارنامہ اس باب میں طریقت کے اس ایجابی پہلو کو واضح فرمانا ہے کہ وہ شریعت ہی کا دوسرا رُخ بلکہ عین شریعت ہے، پھر اس رُخ کو صرف نظری صورت سے پیش نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ عملی طور سے اس کی تعلیم وتربیت کا غایت تحقیق واجتہاد کی شان سے از سرِ نو احیا فرمایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح انسانِ کامل کے دو رُخ ہیں، ظاہر وباطن یا قلب وقالب اسی طرح "دین کامل" کے بھی دو رخ ہیں، شریعت وطریقت اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے اعمال واحکام کا اسی طرح طریقت یا تصوف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال واحکام کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ تصوف نام ہے، باطن کی فقہ کا، جس طرح نماز روزہ وغیرہ کے ارکان واعمال کی ایک ظاہری صورت ہے، جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں، اسی طرح خشوع وخضوع، حضور قلب یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد وذکر (اقم الصلوٰۃ لذکری) قلب وباطن کے اعمال ہیں، جس طرح ترک اکل وشرب روزہ کا ظاہر ہے، اسی طرح اس کا باطن تقویٰ (لعلکم تتقون) ہے، پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں، اسی طرح ان سب کی صحت وسقم، قبول وعدم قبول کا مدار قلبی نیتوں (الاعمال بالنیات) اور درجات اخلاص پر ہے، سب سے بڑھ کر ایمان اور عقائد جن پر نجات اُمّ ظاہر وجوارح کے سارے اعمال کی صحت وقبولیت کا مدار ہے، اور جن کے بغیر نہ نماز نماز ہے نہ روزہ روزہ، وہ بالکلیہ یقین واذعان کے قلبی وباطنی فعل ہی کا نام ہیں،

سارے عقائد وایمانیات کی جڑ، توحید الٰہ یا لا الٰہ الا اللہ ہے، یعنی الوہیت ومعبودیت یا نفع وضرر

کی یعنی فعل واثر کی ساری مخلوقات یا غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا اثبات، ظاہر ہے کہ الٰہ ومعبود وہی ہوتا یا بنایا جاتا ہے، پوجا اور پرستش اسی کی ہوتی اور کیجاتی ہے جس کے ہاتھ میں ہم اپنا نفع وضرر دیکھتے[1] اور یقین کرتے ہیں، غرض لا الٰہ الا اللہ پر ایمان ویقین کے معنی ہی یہ ہیں، کہ ہم کو موت وزندگی، بیماری وتندرستی، ناداری وتونگری، ذلت وعزت وغیرہ کی ظاہری راہوں اور اسباب سے جو کچھ بھی نفع وضرر پہنچتا ہے، سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جاننا اور ماننا، اور کسی فعل واثر کا خالق غیر اللہ کو نہ سمجھنا ہمارا مسلمہ عقیدہ ہے، یہ جاننا اور ماننا قلب باطن کے فعل کے سوا کیا ہے لیکن علوم واحکام ظاہر کے عالم عمال کتنے ہیں جو نفع وضرر فعل واثر کا ان ذات غیر اللہ کی طرف بے یقین ومشاہدہ نہیں کرتے رہتے، کیا اس یقین ومشاہدہ کی تغلیط اور اس کو مضمحل وفنا کرکے ہر فعل واثر میں اللہ تعالیٰ ہی کو بالذات فاعل ومؤثر مشاہدہ کرنے لگنا، جس کو حدیث میں عبادت وبندگی کے مقام احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور جس کو اصطلاح صوفیہ میں توحید افعال سے موسوم کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے تعلق کو اس طرح قائم کرنا کہ ساری زندگی اور اس کے سارے افعال واعمال میں اسی کے مشاہدہ ورویت، حضور ومعیت کا علم واذعان حاصل ہو، کیا یہ عین دین اور کمال دین کے سوا کچھ اور ہے، بلکہ کیا یہ قلبی وباطنی علم واذعان یقین وایمان سارے ظاہری عبادات ومعاملات کی روح وجان نہیں، اور کیا اس روح وجان یا ایمان وعقیدہ کی صحت وحفاظت سارے اعمال وافعال جوارح سے بڑھ کر فرض وواجب نہیں،

تصوف نام ہے فقہ باطن کا

غرض تصوف یا علم باطن کی حقیقت، جس کو خدا جانے لوگوں نے کیا کیا، دور از کار رضال ومضل معنی پہنا رکھے ہیں، صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر جسم یا جوارح کے اعمال واحکام اوامر ونواہی اور صلاح وفساد کی فقہ کے بجائے نام ہے قلب وباطن کے اوامر ونواہی اور اس کے صلاح وفساد کی فقہ کا، جس کے احکام کتاب وسنت دونوں میں اسی طرح منصوص ہیں، جس طرح فقہ ظاہر کے، اور جس کی

[1] کما قال اللہ تعالیٰ اتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ

اہمیت و اقدیت قرآن و حدیث ہی کے اشارات و تصریحات سے ثابت ہے، کما قال اللہ تعالیٰ یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم[1] اور حدیث مین اسی کی شرح و تفسیر یون فرمائی گئی ہے کہ خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا بدن بن سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑا تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے، اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے یعنی ظاہر جسم کے اعمال و افعال کا بناؤ بگاڑ تمامتر اسی باطن قلب کے بناؤ بگاڑ پر موقوف ہے، اور تصوف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناؤ و سنوار اسی کی سلامتی و صحت کی حفاظت، اور اسی کے بگاڑ یا فساد و بیماری کا علاج ہے،

تصوف و طریقت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا دین و شریعت کے منافی و مغائر ہونا تو الگ رہا، بغیر صوفی ہوے مسلمان مسلمان ہی کب ہو سکتا ہے، باقی اگر کسی خشک دماغ کو صوفی تصوف کے نام و اصطلاح یا اس کے علحدہ و مستقل علم و فن ہونے سے بھڑک ہے، تو پھر اس کو تفسیر و مفسر، تجوید و مجود، حدیث و محدث، فقہ و فقیہ، کلام و متکلم، وغیرہ سب ہی جدا گانہ دینی علوم و فنون اور ان کے عرفی و اصطلاحی نامون سے بھڑکنا چاہیئے، اور اگر یہ نام قرآن و حدیث کے الفاظ و اشارات سے ماخوذ ہیں، تو راقم الحروف کے نزدیک صوفی کی اصل بھی صوف پوش کے بجائے اصحاب صفہ کیون نہ ہو، اس پر بھی اگر نام ہی چڑھ ہے، تو علم تصوف کے بجائے اس کا نام علم احسان یا علم قرب رکھ لو، جیسا کہ خود بہت سے اکابر صوفیہ نے رکھا بھی ہے،

تصوف کی حقیقت کی یہ تجدید یا اس کی از سر نو تعلیم و تفہیم جیسی کچھ ضروری تھی، اس کے دیکھتے حضرت مجدد نے مستقل و غیر مستقل رسائل و تصنیفات مواعظ و ملفوظات مین بکثرت و جا بجا اجمال و تفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات و تعبیرات سے سمجھایا اور واضح فرمایا ہے، حقیقت تصوف کے نام سے ایک مستقل

---

[1] الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب،

رسالہ کی تمہید مین ارشاد ہے :-

"شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے، وہ دو قسم کے ہین، بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزون سے ہے، جیسے کلمہ پڑھنا، نماز روزہ حج زکوٰۃ مان باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہین، اور کلمات کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا چوری سود خواری، رشوت وغیرہ ان کو مناہی کہتے ہین، بعض اعمال ایسے ہین جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق، و عقائد حقہ، صبر و شکر، و توکل و رضا، بقضا تفویض و اخلاص محبت خدا و رسول وغیرہ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہین، اور عقائد باطلہ بے صبری، ناشکری، ریا و کبر، عجب وغیرہ یہ مناہی و رذائل ہین جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

جس طرح قرآن شریف مین اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ موجود ہے، اسی طرح یا ایھا الذین آمنوا اصبروا (اے ایمان والو صبر کرو) اور واشکروا للہ (اللہ کا شکر بجا لاؤ) بھی موجود ہے، اگر ایک مقام پر کتب علیکم الصیام اور للہ علی الناس حج البیت پاؤگے تو دوسرے مقام مین یحبھم و یحبونہ اور والذین آمنوا اشد حبا للہ بھی دیکھوگے، جہان اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ ہے اس کے ساتھ ہی یراءون الناس بھی موجود ہے، اگر ایک مقام مین تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے، تو دوسرے مقام مین کبر و عجب کی بھی برائی موجود ہے، اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان مین ابواب نماز روزہ، بیع و شرا، نکاح و طلاق پاؤگے، ابواب ریا و سمعہ کبر وغیرہ بھی دیکھوگے،

اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہین اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الٰہی ہین، کیا اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا و اشکروا امر کا صیغہ نہین کیا کتب علیکم الصیام سے روزہ کی شروعیت

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ سے محبت کا مامور ہونا ثابت
اور مامور بہ ہونا ثابت ہے، اور
نہین، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لئے ہین
اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے،

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا، بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا، اور جس نے اسکو میلا کیا ناکامیاب رہا،

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ، جس دن مال و اولاد کام نہ آئین گے مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا،

دیکھو پہلی آیت مین تزکیہ باطن کو موجب فلاح، اور دوسری مین سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع تبلایا گیا،

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے، قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہین سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہین، پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے، اور اعضا اس کے لشکر یا غلام ہین، اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگین الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت، فسد الجسد کلہ الا وهی القلب کے معنی یہی ہین کہ بدن کے اندر جو قلب ہے، اگر یہ بنا تو سب بنا، یہ بگڑا تو سب بگڑا، اور یہ امور رات دن آنکھون کے سامنے ہین، کہ جس چیز کا دھیان دل مین سما جاتا ہے، سارے اعضا اس کی دھن مین لگ جاتے ہین، آنکھ اس چیز کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے، اور پاؤن اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے، خواہ وہ شے بری ہو یا بھلی، مگر دل کا خیال ان اعضا کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، دنیا داروں کو دیکھو کہ کس طرح دنیا کے کامون مین سر سے

پاؤن تک مشغول رہتے ہین، کہ ان کے کان مین اذان کی آواز تک نہین آتی، ایسا ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھن مین ہین، ہر طرف سے اُن کو اللہ ہی کا خیال آتا ہے،

بس کہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

ایک بڑا مغالطہ بڑے بڑے لوگون کو یہ ہے کہ قلب و باطن کی جس صفائی و تزکیہ پر تصوف مین اس قدر زور ہے کہ گویا سارا تصوف یہی ہے، وہ چونکہ غیر مسلم اشراقیہ اور خصوصاً خود ہمارے ہندوستان کے جوگیون مین بکثرت اور بڑے بڑے خوارق کے ساتھ پایا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی بہتون نے صوفی ہی سمجھ رکھا ہے الصوفی لا مذهب لہ کا مشرب و مقام کسی خاص شریعت و مذہب کے ماورا وسیع اور بلند قرار دے دیا جاتا ہے کہ کفر و اسلام کی قید سے بھی آزاد ہو جاتا ہے، اس لئے تنبہ فرمایا کہ

"تزکیہ و صفائی باطن اور تصوف کا اطلاق اس صفائی پر کیا جاتا ہے، جو شریعت کے احکام کی پابندی سے حاصل ہو، کیونکہ تزکیہ سے مراد وہ تزکیہ ہے، جو موجب فلاح ہے، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، اور ظاہر ہے کہ فلاح منحصر ہے، اتباع شریعت پر، پس ہندو جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے ہین، وہ سرے سے صفائی ہی نہین، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو صفائی کہو تو ساتھ ہی غیر مقبول کہنا ہوگا، اس صورت مین صفائی کی دو قسمین ہون گی، ایک مقبول دوسری مردود"[1]

اس کی مثال کیسی عجیب دی ہے کہ

"آئینہ پر اگر گرد و غبار بیٹھا ہو تو ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو پانی سے دھو کر صاف کر دیا جائے دوسرا یہ کہ پیشاب سے دھو کر گرد و غبار دور کیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ بادشاہی دربار مین

---

[1] خاکسار نے حضرت کے اسی قسم کے ملفوظات کی تعبیر اس شعر مین کی ہے،

شعلے اٹھیں ہزار تجلی مگر کہاں یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہین "س"

جس طرح پہلے آئینہ کو پیش کرنے سے انعام وخوشنودی کا استحقاق ہوگا، دوسرے کے پیش کرنے سے عتاب وخفگی ہوگی،

اسی طرح خلاف شریعت سے عقبیٰ میں کچھ فائدہ نصیب نہیں ہوسکتا، اور اصطلاح وعرف میں تصوف اس علم کا نام ہے، جس پر عمل کرنے سے باطن کی وہ صفائی نصیب ہوتی ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب مدارج ومقام ہوتا ہے،

عشق ومحبت

جو تصوف کی جان ہے، اور جس سے تصوف کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے، اور جو قلب و باطن ہی کی ایک اعلیٰ صفت وکمال ہے، اس کی راہ بھی خود نفس کتاب سے تمام تر اتباع سنت و شریعت پر ہے،

"محبتِ خدا ورسول جو منجملہ صفات حمیدہ قلبیہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، اس کا تعلق بھی اتباع شریعت ہی سے ہے، بدون اتباعِ شریعت محبت کہاں، قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله، دیکھو اس آیت میں اتباع رسول ہی کو ذریعہ محبت بتایا گیا ہے،

یہ الصوفی لا مذہب لہ کا مقام بعض جاہل اور نام کے صوفیہ کے ہاں نام نہاد تزکیہ قلب کے بعد اتنا اونچا ہوجاتا ہے، کہ نماز روزہ تک نیچے پڑجاتا ہے، بلکہ سرے سے سارے احکام شریعت ہی مرتفع ہوجاتے ہیں حالانکہ اسلام میں اور تصوف اسلام میں وہی صفات قلب معتبر ومقبول ہیں، جو نماز روزہ وغیرہ کے مشروع ومامور عبادات واحکام سے نصیب ہوتے ہیں، مثلاً

قد افلح المومنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون میں خشوع جو صفت قلب ہے اس کو اسی صورت میں وسیلۂ نجات وفلاح فرمایا گیا ہے، جو نماز کے اندر پایا جائے، پس اگر سرے سے نماز ہی نہ پڑھی جائے تو یہ نماز والا خشوع کس طرح میسر ہوسکتا ہے، اور فلاح کا اثر کس طرح مرتب ہوسکتا ہے، ایسے ہی زکوٰۃ وصدقہ حج روزہ وغیرہ اعمال صالحہ

سے جو اثر قلب پر پڑتا ہے، اور اس سے صفائی میسر ہوتی ہے، وہی مفید آخرت ہو،

"خلاصہ یہ کہ جبتک انسان احکام شرع کی پابندی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرے گا جنت ورضائے مولیٰ کہ مقصود اصلی ہے، میسر نہیں آسکتا، تو بلا پابندی شرع کے تصوف کہاں، جس طرح کرامت کی تعریف میں خرق عادات کے ساتھ یہ قید ہو کہ عبد صالح متبع شریعت سے صادر ہو، اسی طرح تصوف میں صفائی وتزکیۂ باطن کے ساتھ یہ قید ہے، کہ اتباعِ شریعت سے حاصل ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم باتفاق امت سارے اولیا سے افضل ہیں، مگر اُن کا طریقہ بھی پابندی شریعت نماز روزہ حج زکوٰۃ، جہاد، تلاوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ تھا، اسی سے ان کے قلوب ایسے مجلّٰی ومصفّٰی تھے، کہ اُن کے لئے خطاب رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کیا گیا" بہرکیف تصوف نام ہے صفائی باطن مع پابندی شرع کا"

فلسفہ کے ایک ولایتی ڈاکٹر اور پروفیسر ہمارے دوست جو بڑے تصوف دوست بھی ہیں مگر ساتھ ہی تصوف کا وہی تصور رکھتے ہیں جو شریعت کا متبع وپابند بنانے کے بجائے سرے سے ہر مذہب کی قید وبند سے آزاد کردیتا ہے، ان کو ایک دفعہ راقم نے حضرت کے مکتوبات پڑھنے کو دیے، ہیں بڑے ذہین کہنے لگے بھائی ملائیت وصوفیت کو خوب ہی ملایا ہے، اصطلاح میں کیا جھگڑا اپنی اپنی جگہ تصوف وصوفی کو جس معنی ومراد کے لئے چاہے، اصطلاح بنالے، البتہ اس کو تصوف اسلام کہنا، اور سمجھنا بڑی جسارت وجہالت ہے، تصوفِ اسلام تو بہرحال تمام اکابر ومحققین صوفیائے کرام کے نزدیک وہی ہے جو شریعت کے ساتھ جمع ہی نہیں، بلکہ عین شریعت ہے،

تصوف کا عرف واصطلاح

اب رہ گیا اس زمانہ کا عرف، اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ واصول فقہ وغیرہ جدا جدا ممتاز نہ تھے، پیچھے علمائے دین کی تائید وتبلیغ کے لئے ایک ایک علم الگ الگ کرکے اس کے قواعد مقرر کئے، اسی طرح

علم تصوف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے نکال کر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات خاص طریقہ سے تبلائے ہیں، کہ ان پر عمل کرکے انسان کو تزکیۂ باطن جلد نصیب ہوجاتا ہے،

جس طرح پچھلے زمانہ مین قرآن و حدیث سے استنباط کرکے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا نام جدا گانہ تجویز ہوا، اور اُن کے واضعین کو سب نے امام مانا حتی کہ امام شافعی ایسے لوگون کو امام ابوحنیفہ کی شان اور فقہ فی الدین دیکھ کر الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفہ، کہنا پڑا امام بخاری حدیث میں ایسے امام مانے گئے، کہ آج تک ان کی محدثیت کا ڈنکا بج رہا ہے، اسی طرح تزکیۂ باطن کے تبلانے والے ایسے بزرگان دین گذرے ہین، کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور خواجہ بہاؤ الدین و خواجہ معین الدین چشتی و شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالی اور اُن کے قبل جنید بغدادی حضرت شبلی وغیرہ اور جس طرح اور علوم مین پچھلون کو اگلون کی تقلید و پیروی سے چارہ نہین، علم تصوف مین بھی بدون اتباع طریقہ بزرگان چارہ نہین گو اولی درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے، بدون اتباع مشائخ طریق بھی یسر ہو سکتا ہے، مگر وہ امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے، اس کا حصول بدون صحبت کاملین متبعین مشائخ کے ممکن نہین،

اور جس طرح دیگر علوم متخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہوگیا، جیسے علم فقہ و علم حدیث، اسی طرح مشائخ کے اس خاص متخرجہ طریقہ کا نام تصوف ہوگیا، اگر کوئی شرح وقایہ و ہدایہ پڑھتا ہے، تو کہا جاتا ہے، کہ فقہ پڑھتا ہے، اور اگر تفسیر یا حدیث پڑھتا ہو تو یون نہین کہتے کہ فقہ پڑھتا ہے، حالانکہ فقہ بالمعنی الاعم یعنی معرفۃ النفس مالہا و ما علیہا میں بہت سے علوم حدیث و تفسیر حتی کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں، اسی طرح جب کوئی مشائخ

کے تبلائے ہوے طریقہ پر چلتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے، یا صوفی ہے، اور نماز روزہ کرنے والے کو صوفی نہین کہتے، حالانکہ تصوف تزکیۂ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے،

اور یہان اصطلاحی تصوف کی حقیقت بیان کرنا منظور ہے، جو نام ہے باطن کو رذائل سے خالی کرنے اور فضائل سے آراستہ کرنے کا جس مین توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے، عام اس سے کہ وہ کسی عمل شرعی سے ہو،"

ماحصل یہ کہ پورا دین نام ہے فلاح آخرت اور رضاے الٰہی کے حاصل کرنے کا اور جیسا کہ الظاہر والباطن کی مخلوق و مظہر ساری کائنات کا ہر ہر ذرہ ظاہر و باطن دونون کا مظہر ہے، اور انسان اسی کا مظہر اتم ہے، اسی طرح اس کو اپنے کمال مقصد تک پہنچنے کے لئے جو صراط مستقیم دکھلائی گئی ہے، اس کے بھی دو رخ ہین، ظاہر اور باطن یا قلب و قالب، ظاہری علوم دین کا تعلق ظاہری اعمال و احکام یا ظاہر کی درستی و آراستگی سے ہے، اور علم باطن یا تصوف کا تعلق باطن کی درستی و آراستگی سے ہے، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ کمال و حقیقت کا تعلق کم کے مقابلہ مین کیف یا ظاہر کے مقابلہ مین باطن سے زیادہ ہوتا ہے، اس لئے دین مین بھی کمال رسمی اور حقیقت یابی بلا تصوف یا صوفی بنے بغیر ممکن نہین، خواہ اس دعوی سے اہل قشر کتنا ہی ناخوش ہون لیکن مغز مغز ہی ہے، البتہ بے مغز مدعیان تصوف بھی آگاہ رہین کہ مغز قشر کے اندر ہی ملتا ہے، اور قشر یا ظاہری مغز یا باطن کا محافظ ہوتا ہے،

تجدید تصوف کا اصل کارنامہ

حضرت جامع المجددین رحمہ اللہ کی تصوف مین تجدید و اصلاح کا اصل کارنامہ ظاہر و باطن یا شریعت و طریقت کی علمی و تعلیمی جامعیت ہے، یا دہی ملامیت و صوفیت کو ملاکر شیر و شکر کردینا، اور جس طرح تجدید کے ہر باب مین حضرت نے محض علم و اصول کی رہنمائی پر قناعت نہین فرمائی بلکہ اپنی حدود استطاعت تک اس کو عمل مین بھی لاکر دکھا دیا اسی طرح شریعت و طریقت کی تعلیم و تدریس تالیف و تصنیف کے صدیون سے الگ الگ علماء و مشائخ نے جو دو کیمپ قائم فرما دیئے تھے، ان کو خود اپنی ساری

عملی زندگی اور ساری تقریری و تحریری خدمات مین از سر نو جسم و جان کی طرح ایسا ہم وجود بنا دیا، کہ دونوں
مین امتیاز و جدائی داستان ماضی بن کر رہ گئی، مواعظ و ملفوظات تالیفات و تصنیفات سب مین دونون رنگ
سمو کر بالکل ایک جان و ہم رنگ ہو گئے ہین، بہشتی زیور سے لے کر حیات المسلمین اور سب سے آخری تالیفی
مجموعہ بوادر النوادر اور سب اسی مجمع البحرین کا نظارہ پیش کرتے ہین،

بہشتی زیور جو راقم الحروف کے نزدیک جیسا کہ اوپر معلوم ہوگا حضرت کی تجدید کا باعتبار تعمیم بنیادی
تجربہ ہے، اس مین صوم و صلوٰۃ، نکاح و طلاق، بیع و شرا کے فقہی یا ظاہری احکام کے پہلو بہ پہلو باطنی اخلاق،
قلب کی صفائی، باطن کی درستی، بلکہ پیری و مریدی تک کے مضامین کا پورا ایک حصہ (ساتوان) اس تمہید
کے ساتھ شریک ہے کہ "اس حصے مین زیادہ مضامین اصلاح قلب کے متعلق ہین، جس کو تصوف اور درویشی
کہتے ہین، اور یہ سب شرع کے اور حکمون کی طرح ضروری ہین، جن سے بے پروائی نہ برتنا چاہئے"

دوسری کتاب حضرت کے اس تجدیدی سلسلہ کی تعلیم الدین ہے، اس مین تو عقائد عبادات معاملات
و معاشرات کی دینی تعلیمات کے ساتھ نصف سے زائد حصہ مین سلوک و ولایت، مجاہدہ و ریاضت، بیعت،
اذکار و اشغال، حقائق و معارف اور تصوف کے سارے فرعی مسائل و اصطلاحات خاصہ وغیرہ پورے
تصوف کا نچوڑ موجود ہے، ظاہر و باطن شریعت و طریقت کے جمع و جامعیت کے اس تجدیدی اہتمام کی
انتہا یہ ہے، کہ جمعہ کے لئے سال بھر کے خطبات کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا گیا ہے، اس مین اصلاح باطن
فقر و زہد مراقبہ و محاسبہ شوق و انس وغیرہ صوفیانہ مضامین پر مستقل خطبات موجود ہین،

اور تعلیم و تبلیغ کے باب مین دینی و عربی مدارس کی تعلیم و تدریس کے سلسلہ مین جن اصلاحات و
تجدیدات کا ذکر آچکا اُن مین بھی مدارس کو اس اصلاح کی طرف بتاکید متوجہ فرمایا گیا ہے کہ نصاب درسیات
مین باقاعدہ اخلاق و تصوف کی تدریس کو بھی شریک کیا جائے، خود تعلیمات عشرہ کے نام سے سہ سالہ مختصر
نصاب جو مرتب فرمایا ہے، اس مین دیگر علوم درسیہ کے ساتھ اخلاق و تصوف کے مضامین کا ملخص بھی

جزو لاینفک ہے، اپنی تفسیر بیان القرآن پر صوفیانہ تفسیری اعتبارات کا پورا حاشیہ چڑھایا گیا ہے،

باقی مواعظ و ملفوظات مین تو متن و حاشیہ تصنیفی ابواب و فصول کا فصل و امتیاز بھی ظاہر و باطن شریعت
و طریقت کے علوم و تعلیمات مین حاجب نہین، کوئی عام و خاص خلوت و جلوت کی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس مین
شریعت و طریقت ظاہر و باطن کے اس سنگم کے دونون پانی ایک ساتھ نہ بہتے ہون، یہی حال مواعظ کا ہے،
کہ ہر وعظ بوقت واحد شریعت کے مسائل اور حقیقت کے معارف کا گنجینہ ہے، عجیب لطف توافق کی بات ہے
کہ جس طرح حضرت کی خانقاہ مسجد و مدرسہ سب ہم صحن اور ایک ہی گھر کے دیوار و در معلوم ہوتے ہین اسی
طرح حضرت کی تجدید و اصلاح نے خانقاہ کے باطنی معارف و حقائق اور مسجد و مدرسہ کے ظاہری احکام و
مسائل کو ایک ہی گھر کے در و دیوار بنا کر اُن کی دوئی کو بالکل دور فرما دیا تھا، ایک وعظ مین تصوف کی
مشہور حدیث احسان، عبادت یعنی عبادت و بندگی کو سنوارنے یا اچھا کرنے کے سلسلہ مین اس دوئی کا حجاب
اس طرح دور فرماتے ہین، کہ

"اس حدیث مین عبادت کو اچھا کرنے کی حقیقت بتائی ہے، اور ظاہر ہے کسی چیز کے اچھا ہونے
کے کیا معنی ہوا کرتے ہین کہ اس مین کوئی نقصان و کسر نہ رہے جیسی چاہئے ویسی ہو، مثلاً اچھی
روٹی وہ ہوگی جس کا مادہ بھی اچھا ہو صورت بھی اچھی ہو ثمرہ بھی اچھا ہو، اسی طرح عبادت
کے اچھا ہونے کے معنی یہ ہین کہ اس مین کسی چیز کی کسر نہ رہے، لوگ عموماً غلطی کرتے ہین، اور
صرف صورت و نقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہین، مثلاً نماز مین قیام رکوع سجدہ قعدہ
قومہ وغیرہ جو فقہا نے ضبط کر دیا ہے، اس مین شک نہین کہ جو کچھ انھون نے لکھا ہے ٹھیک
ہے، اور جو فقہ کا موضوع تھا، اس کے موافق لکھا ہے لیکن یہ تو کہین نہین لکھا کہ عبادت
سے متعلق تمام امور اسی مین منحصر ہین،

شریعت مین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی شرع کے

معنی کا بھی اعتبار ہے، اسی معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں، تصوف کو علٰحدہ کتابوں میں لکھنے
سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہوجائے یہ علٰحدگی ایسی ہی ہے، جیسے مشہور فقہ میں کتاب
الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں، اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے، اگر کوئی ہدایہ
کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج
ہوجائیں گی؟ اسی طرح توحید و اخلاص یا کبر و تواضع عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے
احکام بھی فقہ میں داخل ہیں،[1]

اور صوری فقہ کو جانے دیجئے کیا خود قرآن و حدیث میں صوری فقہ کے احکام کے ساتھ ساتھ اور
اس سے بھی بڑھ کر تاکید معنوی فقہ کے اوامر و نواہی کی قدم قدم پر نہیں ملتی، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ
علم برائے علم خود اتنا مقصود بن گیا ہے، کہ علمائے دین و مدارس دین میں بھی سارا زور معلومات اور کتابوں
ہی پر ہے، امتحان ہے تو اُن کا، انعام ہے، تو ان پر، سند ہے تو اُن کی، تحقیقات ہے تو اُن کی اور اب تو
ماشاء اللہ ریسرچ اور ڈاکٹری کا میدان بھی علوم دین اور علمائے دین کے لئے کھل کر دنیا طلبی کا دروازہ
وسیع ہوگیا ہے، اس کے بعد عمل کا کیا ذکر، پھر جب صورت ہی کی پروا نہیں تو معنی کی کیا ہوگی، ارشاد ہے[2]

"لوگوں کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں، بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے، کہ ساری کتابیں
پوری کرلیں، ہدایہ بھی قدوری بھی شمس بازغہ بھی، لیکن عمل کی ذرا پروا نہیں، حالانکہ فقط کسی
چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں، شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے، بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے؟'
تفسیر میں وہ ماہر، حدیث سے وہ واقف، فقہ میں وہ کامل، اور اگر یہ سب علما سے زیادہ
نہ جانتا ہو تو اُن کو بہکا کیسے سکتا ہے، شیطان میں اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی کہ اپنے علم
پر عمل نہیں کرتا، حدیث شریف میں ہے، کہ ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو، جہنم کا ذریعہ ہے،[3]

[1] مواعظ اشرفیہ ص، [2] ملفوظات [3] ایضاً،

غرض ایک تو عمل ہی سرے سے مفقود ہے، اور جو کچھ ہے بھی وہ صورتِ بے معنی یا جسد بے روح یعنی عمل
کو بجائے اچھی طرح اور سنوار کر کرنے کے بیگار کی طرح بگاڑ کر کیا جاتا ہے،

مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے، اور نماز ادا ہوگئی، خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے، کہ
سوائے ظاہری قیام اور قعود کے اور بھی کچھ ہے، اور وہ ضروری بھی ہے حالانکہ قرآن میں جہاں
قد افلح المومنون الذین هم فی صلوٰتهم ہے اسی کے ساتھ ہی خاشعون بھی
لگا ہے، جب صلوٰتهم سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ خاشعون سے
خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے، حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں اور یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت
اچھی ہوتی ہے، اس سے احسان حاصل ہوتا ہے، احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں، اول
اس کا ضروری ہونا، دوسرے اس کی حقیقت، تیسرے اس کے حاصل کرنے کا طریقہ،

اوپر اجمالاً معلوم ہوچکا کہ احسان حاصل تو خشوع سے ہوتا ہے، اور خشوع کا مطلوب ہونا
قد افلح المومنون الخ سے معلوم ہوچکا اب اس کا ضروری ہونا سنئے ارشاد ہے، الم یان
للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین
اوتوا الکتاب من قبل فطال علیهم الامد فقست قلوبهم یہاں ذکر اللہ میں
خشوع کی ضرورت کا بیان ہے، اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آگئیں، دیکھو عبادت میں
اس خشوع کے نہ ہونے پر کیسی وعید ہے، یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دے کر ذکر کیا ہے، کہ
ایسے نہ بنو، جس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے، جس کے باعث آدمی کافروں
سے مشابہ ہوجاتا ہے، اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے، کہ فقست قلوبهم یہ قساوت قلبی
ایسی بری چیز ہے، کہ قرآن شریف میں ہے کہ فویل للقاسیة قلوبهم من ذکر الله اولئک
فی ضلال مبین، یعنی تباہی و ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل خدا کی یاد سے

سخت چور ہے ہیں، وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی مین ہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے، [1]

طرح طرح سے اس تفہیم وتفصیل کا مدعا نقطہ یہ ہے کہ جس طرح فقہائے ظاہر نے قرآن وحدیث ہی کے ظاہری قالب کے شرعی احکام و اعمال ضبط و مرتب فرمائے ہین، اسی طرح فقہائے باطن یا صوفیائے قلب وباطن کے احکام و اعمال مدون فرما دیئے ہین، دونون شریعت ہی کے دو رُخ اور عین شریعت ہین، اس لئے تصوف یا فقہ معنوی سے نابلد رہنا یا بھڑکنا جہل ومحرومی ہی نہین، بلکہ اس کے بغیر دین کی حقیقت ومعنویت یا دین کا کمال واحسان نصیب ہی نہین ہوسکتا،

"لہذا جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے، ویسے ہی ابوطالب کی کی قوت القلوب اور امام غزالی کی اربعین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف کا پڑھنا بھی ضروری ہے (لیکن صرف پڑھ لینا کافی نہین) یہ تو گویا طب کا صرف پڑھ لینا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ

قال را بگذار و مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

کیسی ناانصافی ہے کہ جب دس برس علم ظاہر کی تحصیل مین صرف کئے تو کم سے کم دس ماہ تو باطن کی اصلاح مین صرف کرو اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت مین رہو، اس کے اخلاق وعادات وعبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے، شہوت کے وقت کی حالت مین کیا رہتا ہے، خوشامد کا اس پر کہان تک اثر پڑتا ہے، اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے، کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئیگا تو سوچیگا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت تھی، اسی طرح اس کے دیگر اخلاق وعادات پیش نظر رہین گے۔" [2]

[1] ...
[2] مواعظ اشرفیہ [illegible]

احقر تو اکثر مثالاً عرض کیا کرتا ہے کہ اس کے والد طبیب تھے، گھر مین عربی فارسی اردو کی طب کی کتابون سے الماری کی الماری بھری ہین، اور تینون زبانون مین اُن کو پڑھ اور بڑی حد تک سمجھ بھی سکتا ہون یہی نہین بلکہ اگر کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھ اور سمجھ لون لیکن باقاعدہ کسی ماہر طبیب کے مطب مین اس کی عملی مشق وتجربہ حاصل نہ کرون اور خود مطب کھول کر بیٹھ جاؤن تو لوگون کے لئے ہلاکت کا دروازہ کھول دینے کے سوا کیا ہوگا،

یہی حال آج کل کے اکثر مسلمان قومی وسیاسی اطبا یا قائدین کا ہے، کہ جنہون نے تو سرے سے دین کا کوئی معتد بہ علم ہی نہین حاصل کیا، اور جنھون نے کچھ کیا ہے، ان مین سے مطب شاذ ہی کسی نے کسی طبیب حاذق کی صحبت مین کیا ہے، اس کی بدولت کتابی علم دین کے اچھے اچھے واقفین و ماہرین نے ہلاکت فروشی کی دوکان لگا رکھی ہے، جہان دین کے نام سے بھی عین دنیا کی دانستہ یا نادانستہ سوداگری ہورہی ہے، اگر نرا کتابی علم دین ہی صلاح واصلاح اور کمال دین کے لئے کافی ہوتا، تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے مابعد کے قرون اور سارے طبقات امت کے مقابلہ مین ناقص و غیر صالح ہوتے، دستان بینھما! ان کا فضل وکمال مابعد کے بڑے بڑے فقہا ومحدثین اولیا واقطاب کے مقابلہ مین اسی لئے تو مسلم ہے، کہ ان کو سب سے بڑے مرد کامل کے سامنے پامال ہونے کی سعادت یا صحبت نصیب تھی، جو خود لفظ صحابہ وصحابیات کے عرف واصطلاح کی عظمت سے ظاہر ہے،

پھر ہمارے یہ قائدین ومصلحین رنگ رنگ کے جھنڈے لے کر اور طرح طرح کی جماعتین اور مجالس آگے پیچھے اسلام اور اسلامی کا لفظ لگا کر مسلمانون کو اپنے حال کی جس اصلاح وانقلاب کی دعوت دے رہے ہین، خوب یاد رکھین کہ وہ اس راہ سے پہلے کی طرح آیندہ بھی صدا بصحرا یا جسد بے روح ہی رہے گی جب تک انقلاب قلب یعنی تصوف کی راہ نہ اختیار کی جائے، قرآن مجید کی جو آیت ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ہر قائد و ہر مصلح مسلمانون کی تغییر حال کے لئے زبان پر

رہتی ہے، اس کا مطلب بھی صوفی بنانا ہے، یعنی اگر تم دنیاوی وسیاسی یا ظاہری ترقی بھی چاہتے ہو تو وہ بھی قانون قدرت یا سنت اللہ کی رو سے بلا باطنی یا نفسی اصلاح وتغیر کے ناممکن ہے، یہ "ما بانفس" کا تغیر باطن یا قلب کے تغیر وانقلاب کے سوا کیا ہے،

مادہ پرست دنیا دار بھی کسی نہ کسی عنوان سے اسی اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ جنگ سے آراستہ جرار لشکر کا اگر اخلاقی باطن (مورل) بگڑ جائے، تو ظاہری ساز وسامان سب دھرا رہ جاتا ہے، | صوفی بنے بغیر دنیا بھی نہیں بن سکتی | ، در مسلمان تو خوب کان اور دل کھول کر سُن اور سمجھ لیں کہ ان کو صوفی بنے بغیر جس کا ترجمہ ہے "پکا مسلمان" دین تو دین دنیا بھی کسی اور ڈھنگ سے حاصل نہیں ہو سکتی، جس کے وجوہ واسباب کی تفصیل حضرت مجددی کی زبانی "قومیات وسیاسیات" کے باب میں مفصلاً مذکور ہیں، جب مسلمان مسلمان تھے اور اُن کو دنیاوی اعتبار سے بھی غلبہ وتفوق حاصل تھا، تو اس کا سبب بھی ظاہری ساز وسامان وجمعیت کا غلبہ وتفوق نہ تھا، بلکہ قلوب کی سلامتی وجمعیت تھی، اگر دشمنوں کے قلوب اُن کے مقابلے میں باہم پھٹے ہوتے، اور ان کے بٹے ہوتے تھے، خود قرآن پاک شہادت دیتا ہے، کہ تحسبھم جمیعًا وقلوبھم شتّٰی ذٰلک بانھم قوم لا یعقلون یعنی اُن کی لڑائی آپس ہی میں سخت ہے تم سمجھتے ہو کہ وہ اکٹھے ہیں حالانکہ ان کے قلوب پھٹے ہوئے ہیں، یہ اس لئے کہ سمجھ اور عقل سے کام نہیں لیتے، یعنی عقل کی بات بھی یہی ہے، کہ کام قلب وباطن کی قوت وجمعیت سے چلتا ہے، نہ کہ محض ظاہری ونمایشی اتحاد واتفاق سے، مولانا شبیر احمد عثمانی ان آیات کے تفسیری حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ

"مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے ظاہری اتحاد واتفاق سے دھوکا مت کھاؤ، اُن کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر ایک اپنی غرض وخواہش کا بندہ اور خیالات میں ایک دوسرے سے جدا ہے، پھر حقیقی یکجہتی کہاں میسر آسکتی ہے، اگر عقل ہو تو سمجھیں کہ یہ نمایشی اتحاد کس کام کا! اتحاد اسے کہتے ہیں جو مومنین میں پایا جاتا ہے، کہ تمام اغراض وخواہشات سے یکسو ہو کر سب نے اللہ کی رسّی تھام رکھی ہے، اور سب کا مرنا جینا خدائے واحد کے لئے ہے؟"

کیا دلوں کی پھوٹ کا یہ نقشہ جو کبھی ہمارے دشمنوں کا تھا، آج خود ہمارے دلوں کا آئینہ نہیں!

غرض یہ کہ بلا اندر کے اتفاق واتحاد یعنی قلب وباطن کی اصلاح وانقلاب کے یا صاف لفظوں میں بلا صوفی بنے، نہ خدا مل سکتا ہے، نہ صنم، نہ دین کے حقیقی ثمرات نصیب ہو سکتے ہیں، نہ دنیا کے ظاہری منافع حاصل ہو سکتے ہیں،

مسلمانوں کی اس سراسر غیر اسلامی قومیات وسیاسیات سے جس طرح دل کڑھتا رہتا ہے، احقر نے زیادہ تر اسی کے تقاضے سے تصوف کی بحث میں بھی بظاہر یہ بے جوڑ جملہ معترضہ داخل کر دیا تھا، لیکن ابھی یہ جملہ معترضہ بمشکل ختم ہی ہوا تھا، کہ خود حضرت کا تصوف ہی پر گفتگو کے سلسلہ میں بقیہ اسی مضمون کا ایک ملفوظ تائید غیبی کی طرح سامنے آگیا، جس کا ماحصل وہی ہے، کہ صوفی بنے بغیر حکومت وسلطنت بھی ہاتھ نہیں آسکتی، فرماتے ہیں کہ

"اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں، مثلاً عدل وانصاف، ترحم وغیرہ، بس یہ کمی ہے کہ ان میں نظم نہیں، اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اتفاق واتحاد نہیں، اور اتفاق واتحاد کی جڑ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب نے عجیب فرمائی، جس کی تمام عقلا کو بھی خبر نہیں، فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے، اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے، (جو تصوف کی تعلیم وتربیت کا لازمہ ہے) تو پھر نا اتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے، کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا، اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے، سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی..... اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کر لینے میں عار آتی ہے، اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کیا جائے مرکزیت جو نظم کے لئے ضروری ہے، قائم نہیں ہو سکتی"

ابھی کچھ دن پہلے ایک مشہور خالص دینی مدرسہ میں اسی عار کا بڑا عبرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ ایک

نہایت متقی جوان صالح، خود حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ و مجاز، جو ایک غیر مشہور دینی مدرسہ کو حقیقی معنی میں دینی تربیت کے ساتھ کئی سال سے چلا رہے ہیں، اور جن کی دینی تربیت کی مہارت کا خود اسی مشہور مدرسہ کے سب سے بڑے ذمہ دار بزرگ کو بچشم دید تجربہ و مشاہدہ ہوا تو اپنے صاحبزادہ کو اس مشہور مدرسہ سے نکال کر اسی غیر مشہور مدرسہ کے حوالہ فرما دینا چاہا تھا، مگر مشہور مدرسہ کے مہتمم صاحب اس کو اپنے مدرسہ کے لئے عار جان کر مانع ہو گئے،

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہمارے دینی مدارس پر بھی آج کل کے دنیوی مدارس کے رنگ و اثر کا غلبہ اتنا ہو گیا ہے کہ سارا زور کتابوں کی تعلیم اور امتحانات پر دیا جاتا ہے، عملی تربیت کی طرف دوسرے درجہ کی توجہ بھی مشکل سے فرمائی جاتی ہے، خصوصاً اخلاقی و باطنی تربیت کا اہتمام تو کہنا چاہئے کہ ان کے اساتذہ و اکابر ہی میں مفقود ہے تو طلبہ و اصاغر کا کیا ذکر، مذکورۂ بالا مشہور مدرسہ میں بھی سب سے بڑی کمی دین کی ظاہری اور اس سے بڑھ کر باطنی تربیت کی اساتذہ و طلبہ سب ہی میں ہے۔ اس کے ایک بے جاہ و ثروت خیر خواہ نے عملی تربیت کے ان نقائص کی اصلاح کے لئے موصوف الصدر، جوان صالح کے مشورہ و تجربہ سے فائدہ اٹھانے کی ایک تجویز پیش کردی جس کو سب سے بڑے ذمہ دار بزرگ نے پہلی گفتگو میں قبول بھی فرما لیا، لیکن جب مہتمم صاحب کو (جو ماشاء اللہ اپنے بڑوں کے بڑے مطیع ہیں) اس پر آمادہ فرمانا چاہا، تو وہی احساس عار کا جواب ملا کہ آخر مجھ پر کتنوں کو نگران بنایا جائے گا، حالانکہ اگر ان کے اوپر ان کے بقول کئی نگران تھے (گو واقعہ میں کوئی نہیں) تو ایک اور کا اضافہ سہی، بلکہ خود اپنی جماعت کے اس مجوزہ ہی کے مشورہ و نگرانی کے قبول فرمانے پر راضی تھے، مگر خدا ہی بہتر جانتا ہے، کہ ان جوان صالح سے استفادہ میں ان کی جوانی، عدم شہرت، غیر مشہور مدرسہ یا غیر جماعت سے تعلق کی کون سی عار اتنی سنگین دیوار بن کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی، کہ آخر اصل ذمہ دار بزرگ کو بھی باوجود اپنی ذمہ داری کے کما حقہٗ اعانہ فرما سکنے کی معذوری کے اسی سنگین دیوار سے ٹکرا کر پسپا ہونا پڑا،

یہ صرف ایک مثال برائے مثال ہے، ورنہ کیا عرض کیا جائے کہ اس راقم احقر نے تو جب سے تھانہ بھون کے تجدید یافتہ اسلامی تصوف کو کچھ دیکھا اور سنا ہے، تب سے خود اپنے اندر اور باہر انفرادی و اجتماعی ذہنی و سیاسی، کسی معاملہ میں جہاں اور جو فساد نظر آتا ہے، اس کا بڑا سبب بداہتہً اسی اسلامی تصوف یا اخلاقی و باطنی تربیت کی صلاح و اصلاح کی کمی و خامی دکھائی دیتی ہے، جس کی نسبت اسی ملفوظ میں آگے ارشاد ہے کہ

بلا تصوف کام نہیں چل سکتا

خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا، کیونکہ سب سے اول چیز تصوف میں تواضع ہی کی تعلیم ہے، جس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں، عموماً تو تصوف میں فنا سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی ہے، اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے، کیونکہ فنا کے درجات ہیں، باقی بدون فنا کے تو اس طریق میں کوئی شخص ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، خواہ لاکھ ورد و وظیفے پڑھے، لاکھ تسبیحیں پھیرے،

"لوگ کہتے ہیں کہ حجروں میں بیٹھے سے کچھ نہیں ہوتا، میدان میں آنا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ حجروں ہی میں بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے، جیسے ریڈیو حجرہ ہی میں رکھا جاتا ہے، اور پھر اسی سے تقریریں نشر ہو کر تمام عالم میں ہل چل پڑ جاتی ہے، اس پر یاد آیا کہ سعد بن وقاص ایک معرکہ میں امیر لشکر تھے، اور بوجہ دنبل نکل آنے کے نقل و حرکت سے معذور تھے، پھر بھی اپنے خیمے میں بیٹھے بیٹھے ہی فوج کی کمان کر رہے تھے،[1]

جب حضرات انبیاء علیہم السلام بلکہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بدر سے پہلے حرا تھا، تو بدیگراں چہ رسد، عارف الٰہ آبادی نے خوب ہی فرمایا؛

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھکو بدر سے غار حرا پہلے

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۲۰۸،

آگے اسی مقام فن کا ایک میدانی کارنامہ نقل فرمایا ہے، کہ[1]

"حضرت ابو محجن ثقفی اس جرم مین کہ انھون نے شراب کی تعریف مین اشعار لکھے تھے، مین کارزار مین زنجیر سے باندھ دیئے گئے تھے، کفار مین ایک شخص رستم نامی تھا، جس نے کئی مسلمانون کو شہید کر دیا تھا، حضرت ابو محجن کو یہ دیکھ کر جوش اٹھا کہ مین جا کر اس کا مقابلہ کرون، مگر مجبور تھے، زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے، بالآخر رہا نہ گیا، اور امیر لشکر کی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، کہ مجھ کو اس وقت چھوڑ دیا جائے، وعدہ کرتا ہون کہ اگر سلامت واپس آگیا، تو پھر اپنے کو اسی زنجیر سے بندھوا دون گا، اور اگر شہید ہو گیا، تب بھی امیر لشکر کا کچھ حرج نہ ہوگا، کیونکہ مجھ سے ناراض ہین ہی چھٹکارا مل جائے گا، (غرض کسی طرح) رستم کے مقابلہ کے لئے جا پہنچے، لیکن اس ڈر سے کہ امیر لشکر کا سامنا نہ ہو جائے، منھ چھپا لیا تھا، رستم کے پاس پہونچتے ہی اس کو قتل کر دیا، اور خود واپس آکر حسب وعدہ پھر اپنے کو مقید کر دیا، اور امیر لشکر نے بھی حکم شریعت کے جاری کرنے مین عین موقع کارزار مین پس وپیش نہ کیا، اور ایسے کارآمد شخص کو بھی قید کر دیا بات یہ ہے کہ وہان اصل مقصود اتباع احکام اور تحصیل رضائے الٰہی تھا (اسی مین امیر لشکر اور لشکری سب فنا تھے) اس کے مقابلہ مین اور کسی مصلحت کی پروا نہ تھی،

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار

بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند[2]

عجیب مجددانہ نکتہ

اسی سلسلہ مین ایک عام غلط فہمی کے متعلق عجیب مجددانہ نکتہ بیان فرمایا کہ

"شہادت کے متعلق عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ جہاد مین مقتول ہو کر شہید ہو جانا ہی

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۲۷۸، [2] ایضاً ۲۷۹،

اصل مقصود ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، مقتول ہونا اصل مقصود نہین، بلکہ قاتل ہونا اصل مقصود ہے، اور مقتول ہونا قاتل ہونے کی حد تک ہے، یعنی حکم یہ ہے کہ مقتول ہونے کی حد تک بھی قاتل بنے رہو، اور قاتل ہونے مین مقتول ہونے کی بھی نوبت آجائے تب بھی پروا نہ کرو"[1]

جملہ معترضہ ذرا طویل ہو گیا، لیکن "حجرہ کے تصوف" کی تحقیر جس جہل و نادانی پر مبنی ہے اس کے دور کرنے اور نام کے سیاسی میدانیون پر پوری طرح واضح کرنے کے لئے کہ کام میدان مین بھی "تصوف" کے بغیر چل نہین سکتا" دراصل اسلامی تصوف ہی کے بارے مین یہ ایک بڑے تجدیدی نکتہ کی ضروری تفصیل تھی،

(باقی)

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۳۸۰،

اسلامی حکمرانون سے مسلمانون کی

ایک بے جا شکایت

از مولٰینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(۲)

مسلمان فرمان رواؤن کے دربار مین غیر مذہب کے ارباب کمال کی جو قدر و عزت کی گئی ہو اس کی تفصیل کے لئے تو دفتر درکار ہے، واقعہ یہ ہو کہ دوسرون پر جبر اور زبردستی تو خیر بڑی بات ہے، عباسیون کی حکومت کا ابتدائی عہد ہے، اسی ابوجعفر منصور کے زمانے کا قصہ ہو، اس کو سنئے، اور اندازہ کیجئے کہ عام مسلمانون کے قلوب تک مین رواداری کے جذبات ترقی کے کس نقطہ تک اسلامی حکومت کے زمانے مین پہونچے ہوئے تھے،

خطیب نے اس واقعہ کو بیان کیا ہو، جس کا حاصل یہ ہو کہ بصرہ جو خاص مسلمانون کی فوجی چھاؤنی تھی یہین ایک یہودی پہونچا، اور مسلمانون کے علماء کو مناظرے کا اس نے چیلنج دیا۔ لوگ آتے تھے اور اس سے بحث کرتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ مناظرے کے ڈھنگ مین یہودی اتنا مشاق تھا کہ جو بھی اس سے بحث کرتا اس کو خاموش کر دیتا، اس زمانے مین ابوالہذیل العلاف جو بعد کو فرقہ معتزلہ کا امام ہوا، ابھی کمسن تھا اس کا بیان ہو کہ مین نے اپنے چچا سے کہا کہ اس یہودی کی بڑی شہرت ہو رہی ہے، کیا مجھے آپ اس کے پاس لے چل سکتے ہین، تاکہ مین اس سے بحث کرون، ابوالہذیل کے چچا نے کہا بیٹا! بڑے بڑے لوگون کو وہ خاموش کر رہا ہے، تم اس سے بھلا کیا مناظرہ کروگے، لیکن مین نے ضد کی

آخر مجھے لے کر اس مجلس مین میرے چچا پہونچے، جہان لوگون کا مجمع تھا، اور یہودی سے بحث ہو رہی تھی اس وقت یہودی حضرت موسٰی علیہ السلام کی نبوت کے متعلق کہہ رہا تھا کہ ان کی نبوت تو طے شدہ مسئلہ ہو، اس لئے اس پر بحث کرنے کی ضرورت بھی نہین، البتہ اپنے پیغمبر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی صحت کی دلیل تم مسلمانون کو پیش کرنا چاہئے، ہمارے لئے تو صرف انکار کافی ہے،

اسی قسم کی باتین وہ کر رہا تھا، اتنے مین ابوالہذیل آگے بڑھے اور یہودی کو مخاطب کرکے کہا کہ مین آپ سے بحث کرنا چاہتا ہون، یہودی نے ایک کمسن لڑکے کو دیکھ کر کہا کہ

میان صاحبزادے اپنے بڑے بوڑھون کے حال سے تمھین عبرت نہین ہو رہی ہو،

تم بھلا مجھ سے کیا بحث کر سکتے ہو،

مگر ابوالہذیل کے اصرار کو دیکھ کر بحث پر آمادہ ہوگیا، سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ اس کے بعد نقل کیا گیا ہے، جس کے درج کرنے کی یہان گنجائش نہین ہے، پیش کرنے کی چیز آخری جز ہے ابوالہذیل کا بیان ہو کہ میرے سوالات سے یہودی زچ ہوا، مین نے دیکھا کہ اچانک وہ میری طرف بڑھا، ایسا معلوم ہوا کہ کان مین کچھ کہنا چاہتا ہے، مین نے بھی اپنا کان اس کی طرف بڑھا دیا،

یہی قصہ سننے کا ہو، ابوالہذیل ہی کے الفاظ مین سنئے، ایک یہودی کی جرات بصرہ جیسے مقام مین دوسری صدی ہجری کی ابتدا تک مین کہان تک بڑھتی ہوئی تھی، ابوالہذیل کے الفاظ مین۔

فسارنی فقال امك كذا كذا	اس یہودی نے کان مین مجھے گالیان دینی شروع کین کہہ رہا تھا کہ تیری ماں کی ایسی تیسی، اور جس نے تجھے پڑھایا ہو اس کی ماں کی ایسی تیسی، وہ فحش گالیان دے رہا تھا اور اشارے کنائے سے بھی کام نہین لے رہا تھا
واه من علمك لا يكفي	
(ص ۳۶۸)	

یہودی کا اپنے اس طرز عمل سے جو مقصد تھا ابو الھذیل نے بھانپ لیا اور کسی قسم کی برہمی اپنے اندر

اس نے پیدا ہونے نہ دی، پھر مجمع کی طرف خطاب کرکے ابو الھذیل نے کہا کہ

حضرات! خدا آپ لوگون کی عزت کو قائم رکھے، آپ لوگون نے دیکھ لیا کہ میرے

سوالون کے جواب سے یہ عاجز ہو چکا ہے، اب کان مین اس نے مجھ کو اس قسم کی گالیان

محض اس لئے دی ہین تاکہ مجھے غصہ آ جائے اور یون مجلس درہم برہم ہو جائے، یہودی

کو اس کا موقع مل جائے کہ مسلمانون نے شور و شغب سے کام لیا ورنہ ان کا وکیل شکست

کھا چکا تھا (الریاض ج ۳ ص ۳۶۹)

آزادی خیال، آزادیٔ تقریر کی آپ ہی بتایئے کہ اس سے زیادہ معیاری مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

بصرہ جیسے خالص اسلامی شہر مین دہ مسلمانون کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھری

بھری مجلس مین اعتراض کرتا ہے، مسلمانون کے علماء اس سے سوال و جواب کرتے ہین، اپنی تقریری قوت

سے وہ سب کو چپ کرتا چلا جا رہا ہے، نہ حکومت ہی کی طرف سے اس کی دار و گیر ہوتی ہے اور نہ مسلمانون

کو ہم دیکھتے ہین کہ اس کے خلاف شورش کرتے ہین، بلکہ توقع یہی کی جاتی ہے کہ تقریر کا جواب تقریر سے

دیا جائے، ذرا اس یہودی کی جسارت کا اندازہ کیجئے کہ مسلمانون کی اس بھری مجلس مین بے نقط یا بقول

مولانا نادر یا بادی صنعت غیر منقوط مین وہ سب کچھ سناتا ہے جو سنانا چاہتا ہے، مین تو یہی سمجھتا ہون کہ

جب تک اس کو مسلمانون کے حلم و بردباری کے متعلق اطمینان نہ تھا اس بزدل یہودی مین کان ہی تک

سہی اس کی ہمت ہی کیسے ہو سکتی تھی، انتہا یہ ہے کہ کان مین ابو الھذیل کے جو گالیان ان کو اور ان کے

اساتذہ کو اس نے سنائی تھین، اس کی خبر جب مجمع کے مسلمانون کو ہوئی، تو جیسا کہ چاہئے تھا لوگون

مین برہمی پیدا ہوئی لیکن اس برہمی کے بعد بھی کیا ہوا؟ ابو الھذیل ہی کا بیان ہے کہ یہودی مجمع سے

نکل بھاگا حالانکہ بقول ابو الھذیل،

شتمنی بالشتم الذی یوجب الحد — اس یہودی نے جو گالیان مجھے دی تھین وہ اس کو

(ج ۳ ص ۳۶۹) — قانونی سزا کا مستحق بنا چکی تھین،

یعنی حد قذف[1] کا یہودی قانوناً مستحق ہو چکا تھا، لیکن باین ہمہ مسلمانون کی حکومت نے بھی، اور خود

مسلمانون نے بھی اتنا موقع اس کو پھر بھی دیا کہ

خرج ھارباً من البصرۃ، — بصرہ سے بھاگ نکلا

موجودہ زمانہ کی بے دین حکومتون کا سب سے بڑا امتیازی وصف یہی قرار دیا جاتا ہے کہ "مذہبی معاملات

مین رواداری کا جذبہ لوگون مین اس نے پیدا کر دیا ہے"، اگرچہ اس مین زیادہ دخل جہان تک مین سمجھتا

ہون بجائے رواداری کے پژمردگی کے ان رجحانات کو ہے، جو عموماً اس زمانہ مین مذہب کی جانب سے

قلوب مین پھوٹ پڑے ہین، یورپ اور یورپ کے مذہب کی تاریخ کے یہ نتائج ہین جنکی تفصیل کا

یہان موقع نہین ہے[2]،

مگر خیال کیجئے اس زمانہ کو یعنی دوسری صدی ہجری کی ابتدائی شاٰون کو جن مین تقریباً ہر مسلمان

دین کے نشہ مین سرشار اور مخمور تھا۔

لیکن ان کے دین ہی نے مسلمانون مین بھی اور ان کی حکومت کے اندر بھی رواداری کے جس جذبہ

---

[1] کسی کو بلا وجہ افعال شنیعہ کے ساتھ متہم کرنا اور اس کی آبرو ریزی کی تعبیر عربی مین "قذف" کے لفظ سے کی جاتی ہے،

جس کی سزا اسّی کوڑے مقرر ہین اور ایسا آدمی مردود الشہادۃ عدالت سے قرار دیا جاتا ہے،

[2] تفصیل تو اس کی سورہ کہف کی آیت فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم کا یہ مین آثارھم کے لفظ کی تفسیر مین دیکھئے یعنی خدا کے

متعلق ولدیت کا عقیدہ جن آثار کو چھوڑ کر جائے گا ان کو خوب سوچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا نے فرمایا

ہے کہ اپنے آپ کو کیا آپ ہلاک کر دین گے، خاکسار کے نزدیک مسیحی دین کی تاریخ کی طرف آثارھم کے لفظ سے

اشارہ کیا گیا ہے کلیسا کا نظام کیسے پیدا ہوا، پوپ غیر معمولی اقتدار کا مالک سارے مسیحی ممالک مین ہو گیا اور کلیسا کی

زمانی طاقت کی پشت پناہی مین دین مسیحی کے نمایندون نے جو مظالم ڈھائے ہین کہ دیکھ لیا الحاد اور بے دینی کے اس دور کو پیدا کیا[illegible]

کی نشوونما میں کامیابی حاصل کی تھی، میں تو نہیں سمجھتا کہ اس کی نظیر آج بھی مل سکتی ہے،

اس قسم کے خیالات کیسے یا وساوس، لوگوں میں ان واقعات کے سننے کے بعد جو پیدا ہوتے ہیں یعنی سمجھ لیا جاتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں کی ان رواداریوں میں بھی دخل ان لاپرواہیوں کو تھا، جو مذہب کی جانب سے ان میں پیدا ہو گئی تھیں، میرے نزدیک اسلامی تاریخ کی جہالت پر مبنی ہیں ورنہ جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا صحیح مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک دفعہ نہیں مختلف زمانوں میں مختلف مقامات میں ایسی صورتیں پیش آئی ہیں کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے متعلق وقت کے بادشاہوں اور حکمرانوں میں زیادتی کا ارادہ پیدا ہوا لیکن مسلمانوں کا مذہب سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اور زیادتی کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو اسی وقت روک دیا،

عہد صحابہ جس کا اول و آخر ظاہر و باطن جیسا کہ میں نے عرض کیا سب کچھ دین ہی دین تھا، دین کے عنفوان شباب کے اس عہد میں تو خیر اس قسم کے واقعات کے پیش آنے کی صورت ہی کیا تھی؟ تاہم ارادۃً سہی بلا ارادہ یا عدم واقفیت کی وجہ سے اس زمانہ میں بھی بعض ایسی صورتیں جب کبھی پیش آئی ہیں تو خود اسلام ہی نے غیر مسلموں کو نقصان سے بچا لیا، امیر معاویہ رض کے زمانہ کے اس واقعہ کا ذکر شاید کسی اور مناسب مقام پر آئے گا۔ جب ان میں اور قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت کے درمیان ایک مدت تک کے لئے صلح کا معاہدہ طے پایا تھا۔ مدت صلح کے اختتام کی تاریخ جب قریب آگئی تو امیر معاویہ رض نے رومی سرحد کی طرف اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا، فوج کی قیادت خود ہی کر رہے تھے ارادہ ان کا یہ تھا کہ مدتِ صلح کے ختم ہونے کے ساتھ ہی غفلت میں رومی سرحد پر دھاوا بول دیا جائے مسلمانوں کی فوج رومی سرحد کے قریب پہونچ ہی چکی تھی کہ اچانک دیکھا گیا گھوڑے پر ایک سوار

اللہ اکبر وفاء لا غدر   غدر سے بچنا ہے، معاہدے کی تکمیل ہونی چاہیے،

غدر اور عہد شکنی سے کام نہ لینا چاہیے،

کا نعرہ لگا رہا ہے، امیر معاویہ رض نے اس کو طلب کیا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عمرو بن عنبسہ رض ہیں،

امیر معاویہ رض نے پوچھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں، بولے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ معاہدے کے بعد دشمن پر حملہ اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک کہ معاہدے کی تاریخ کے ختم ہونے سے فریق کو مطلع نہ کر دیا جائے، یہ سننے کے ساتھ ہی امیر معاویہ رض اپنی فوج کو لے کر واپس ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

اور اسلامی حکومت کے ان غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جن کی ذمہ داری حکومت قبول کر لیتی تھی، صحابہ کی ہمدردیوں یا حکام کی زیادتیوں سے بچا لینے کے لئے خود سینہ سپر ہو جانے کے واقعات کا تو ایک سلسلہ ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف مواقع میں پیش آتے رہے، حدیث و سیر کی عام کتابوں میں اس کے نمونے آپ کو مل سکتے ہیں،

مگر اس عہد سعادت کے گذر جانے کے بعد بھی بنی امیہ والوں کے ہاتھ میں اسلامی حکومت کی باگ جب آگئی، اور بجائے خلفائے راشدین کے جیسا کہ معلوم ہے اپنے طریقۂ حکومت میں وہ رومیوں اور ایرانیوں کے نقش قدم کو دیکھ کر چلنے کے عادی ہو گئے تھے، لیکن اس زمانے میں بھی اور اس کے بعد بھی غیر مسلم طبقات کی حفاظت و صیانت میں آپ کو نظر آئے گا کہ مسلمانوں کے دین ہی نے کوشش کا کوئی

۱؎ سیوطی نے بیہقی کی شعب الایمان اور ابن مردویہ کی تفسیر کے حوالہ سے اس روایت کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان ہی میں یہ بھی ہے کہ عمرو بن عبسہ رض نے کہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کان بینہ وبین قوم عہد فلا یشد عقدۃ ولا یحلہا حتی ینقضی امدہا او ینبذ الیہم علی سواء یعنی جب کسی سے معاہدہ کیا جائے تو معاہدے کے بعد کوئی گرہ بند ہو سکتی ہے اور نہ کھل سکتی ہے جب تک کہ مدت معاہدے کی پوری نہ ہو جائے، اور معاہدے کے فریق کے ساتھ منابذۃ علی السواء کا معاملہ نہ کیا جائے اسی منابذۃ علی السواء کا وہ حاصل ہے جو میں نے درج کیا ہے (دیکھئے در منثور ج ۳ ص ۱۵۳)

دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا مسلمانوں کی رائے عامہ پر چونکہ مذہب کا اثر تھا، اس لئے حکمرانوں کو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا،

البلاذری نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کے مشہور عیاش و دین باختہ حکمران ولید بن یزید نے منجملہ دوسری حرکتوں کے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ قبرس کے غیر مسلم باشندوں کی ایک ٹولی کو اس نے قبرس کے جزیرے سے نکال کر شام میں توطن اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا، چونکہ ولید کا یہ فعل شرعاً صحیح نہ تھا اس لئے مسلمانوں کی رائے عامہ نے بھی اس کی مخالفت کی اور

استعظمه الفقهاء (ص ۱۶۳) اسلامی فقہا نے اسے جرم عظیم خیال کیا

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید جب مارا گیا، اور یزید بن الولید بن عبد الملک اس کا جانشین ہوا، تو

ردهم الی قبرس ، ان غیر مسلم لوگوں کو اس نے قبرس واپس کر دیا

لکھا ہے کہ فقہائے امت کے اس فتوے کی جب تعمیل حکومت نے کی تو

فاستحسن المسلمون ذلك من عام مسلمانوں نے یزید کے اس کام کو سراہا

فعله ورءوه عدلاً اور اس کے اس طرز عمل کو عدالت اور انصاف کا تقاضا قرار دیا گیا،

البلاذری ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کوہ لبنان کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ بھی اسی قسم کی صورت ایک دفعہ پیش آئی، یعنی بعض لوگ جنھوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی، ان کے ساتھ چند ایسے آدمی جو مجرم نہ تھے ان کو بھی حکومت کی طرف سے جلا وطنی کا حکم دیا گیا اس وقت امام اوزاعی موجود تھے، انھوں نے اس علاقہ کے صوبہ دار کے نام جس نے جلا وطنی کا حکم دیا تھا ایک طویل مراسلہ لکھا، اس مراسلہ کے بعض اجزاء البلاذری نے نقل کئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ

"چند خاص لوگوں کے جرم میں تمھیں کیا حق تھا کہ جرم میں جو شریک نہ تھے ان کو بھی تم نے سزا میں شریک کر دیا، قرآن کا حکم ہے کہ "ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا" [1]

امام اوزاعی نے اس قرآنی حکم کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

جس کے سامنے ٹھہر جانا چاہئے وہ قرآن ہی کا حکم ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشہور ارشاد کی طرف توجہ دلائی، یعنی اسلامی حکومت جن لوگوں کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے کچھ دیر پہلے انکی حفاظت و صیانت کی طرف خاص توجہ مسلمانوں کو دلائی تھی"

میں نے اس حدیث کا پہلے بھی ذکر کیا ہے، الاحکام السلطانیہ میں الماوردی نے اسی حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری گفتگو جو فرمائی وہی تھی ان کے الفاظ یہ ہیں

روی نافع عن ابن عمر قال نافع بن عمر کے حوالہ سے یہ بیان کرتے

كان آخر ما تكلم به النبي تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری

---

[1] قرآنی آیت لا تزر وازرة وزر اخرىٰ کو امام اوزاعی نے مراسلہ میں نقل کیا تھا میں نے اسی کا ترجمہ کر دیا ہے،

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ کے متعلق روایتوں میں بظاہر کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، بعضوں میں ہے کہ اللهم بالرفيق الاعلىٰ آخری الفاظ تھے، بعضوں میں ہے الصلوٰة وما ملكت ايمانكم ان لوگوں کا خیال رکھنا جن کے تم مالک ہو یعنی غلاموں کا خیال کرنا، اور بعض روایتوں میں وہی ہے کہ غیر مسلم اقوام کی مذکورہ بالا ذمہ داری کی نگرانی و حفاظت کی طرف توجہ دلائی، مگر بظاہر اختلاف اس کو میں اس لئے قرار دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے متعلق آخری بات بالرفیق الاعلیٰ کی تھی مسلمانوں کے ساتھ خصوصی وصیت نماز اور غلاموں کی تھی اور سارے جہان کی رحمت نے غیر مسلم اقوام کے متعلق جو آخری گفتگو فرمائی وہ مذکورہ الفاظ ہیں ۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان قال

احفظوا فی ذمتی،

(ص ۱۳۸)

گفتگو جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میری ذمہ کی نگرانی کیجیو،

(یعنی جن لوگون کی ذمہ داری مین نے مسلمانون

کے حکمران ہونے کی حیثیت سے لی ہے ان

کی ذمہ داریان پوری کی جائین،

بہرحال امام اوزاعی نے اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے مراسلہ کے آخر مین لکھا تھا کہ

"دنیا کی ساری وصیتون مین سب سے زیادہ توجہ اور تعمیل کی مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے، آپ نے فرمایا کہ عہد جن لوگون سے کیا جاچکا ہو، ان پر جو ظلم و زیادتی کرے گا یا ان کی برداشت سے زیادہ بار ان پر ڈالے گا مین قیامت کے دن اس کے خلاف مدعی بن کر کھڑا ہون گا، (البلاذری ص ۱۶۹)

رائے عامہ اور دین کے خصوصی نمایندے یعنی علماء و فقہاء کی یہی دار و گیر کا نتیجہ تھا کہ اس قسم کے غیر مسلم اقوام کے متعلق جب حکومت کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا تو عموماً قاعدہ تھا کہ وقت کے علمائے دین سے اس مسئلہ کے متعلق حکومت عموماً دریافت کرتی اور علماء کا جو فتویٰ ہوتا اسی کے مطابق عمل کرتی تھی،

بنی امیہ کا دور ختم ہو چکا تھا اور عباسیون کی دولت قائم ہو چکی تھی اسی جزیرہ قبرس ہی کے متعلق عباسیون کے عہد مین بھی پیچیدگی پیدا ہوئی، اور یہ سوال اٹھا کہ جو طرز عمل اس جزیرے کے غیر مسلم باشندون نے اختیار کیا ہے اس سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا نہین، لکھا ہے کہ وقت کے علماء کی خدمت مین حکومت کی طرف سے سوال بھیجا گیا جن مین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر لیث بن سعد امام مصر، مالک بن انس امام دار الہجرۃ مدینہ منورہ، سفیان بن عیینہ امام حرم مکہ کے سوا موسیٰ بن اعین، اسمٰعیل بن عیاش، یحییٰ بن حمزہ و ابو اسحاق الفزاری اور مخلد بن حسین بھی تھے، البلاذری نے ان مین ہر عالم کے جواب

کا ذکر کیا ہے،

الفاظ جواب کے اگرچہ مختلف تھے لیکن تقریباً اکثرون نے عموماً وہی جواب دیا تھا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دیا گیا تھا، امام مالک رح نے جو کچھ لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"قبرس والون کے ساتھ امن و امان کا معاہدہ بہت پرانی بات ہے، اسلامی حکمرانون نے ہمیشہ اس معاہدے کی پابندی کی،"

اسی کے بعد آپ نے ارقام فرمایا تھا کہ

مین نے کسی حاکم کو نہین دیکھا جس نے صلح کے اس معاہدے کو توڑا ہو، جو قبرس والون سے کیا گیا ہے اور نہ ان کو ان کے علاقے سے نکالنے کی جرأت کسی نے کی، بس چاہیے کہ ان کے متعلق جلد بازی سے فیصلہ مین کام نہ لیا جائے، بلکہ معاہدے کو باقی رکھا جائے۔ قرآنی حکم کا بھی یہی اقتضاء ہے ہان اس کے بعد بھی اگر اپنے معاہدے پر قبرس والے قائم نہ رہین، اور دشمنون کے ساتھ اندرونی میل جول کو ترک نہ کرین، ان کی عہد شکنی واضح ہو جائے تب پھر حکومت کے لئے عذر صحیح ہوگا، اور اس کے بعد جو معاملہ بھی ان کے ساتھ کیا جائے گا امید کی جاتی ہے کہ خدا کی طرف سے

---

[1] دراصل قبرس (سائپرس) کا یہ جزیرہ بحر روم کے جزائر مین کلیدی جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے، قسطنطنیہ کی رومی حکومت ہمیشہ یہان کے غیر مسلم باشندون کے ساتھ جو عیسائی تھے، ساز باز کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرتی رہتی تھی، اسی سلسلہ مین مسلمانون کی حکومت کو اس جزیرے کے غیر مسلم باشندون سے شکایت پیدا ہو جاتی تھی، شکایتون کا یہ سلسلہ زمانہ تک جاری رہا، لیکن ایک دفعہ نہین بار ہا یہ صورتین پیش آئین کہ رومیون کی پشت پناہی اور ان کی سراغ رسانی کے جرائم کا علم جزیرے کے عیسائیون کے متعلق مسلمانون کی حکومت کو ہوا حکومت تشدد پر آمادہ ہوئی لیکن مسلمانون کا دین آڑے آتا رہا اور ان کو بچاتا رہا، تفصیل کے لئے طبری ابن اثیر وغیرہ پڑھیے،

امداد ہوگی اور دشمنوں کو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی ۔

لیث بن سعد نے بھی سال بھر انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا،

عباسیوں ہی کے عہد حکومت کا مشہور واقعہ ہے کہ ہارون رشید نے بنی تغلب کے عیسائیوں کے ان حقوق میں دست اندازی کا ارادہ کیا، جو خلافت راشدہ کے زمانہ سے اس قبیلے کے عیسائیوں کو حاصل تھے، ہارون رشید کے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسفؒ کی وفات ہو چکی تھی، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی کو ہارون نے بلا کر مسئلہ دریافت کرتے ہوئے اپنے ارادے کا اظہار کیا، اس نے امام محمدؒ سے کہا کہ

بنی تغلب کے ان عیسائیوں کو میں دیکھ رہا ہوں کہ جن امور کی پابندی انھوں نے قبول کی تھی ان کی مسلسل خلاف ورزی کر رہے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ ان خلاف ورزیوں کے بعد ان حقوق سے وہ محروم ہو گئے جو اسلامی حکومت کی طرف سے ازروئے معاہدہ ان کو حاصل تھے،،

ہارون رشید جیسے مطلق العنان حکمران کے اس ارادے اور اس کی اس تقریر کو سن لینے کے بعد آپ جانتے ہیں امام محمدؒ نے کیا فرمایا، لکھا ہے کہ ہارون سے امام نے پوچھا کہ جن دفعات کی خلاف ورزیوں کا الزام ان عیسائیوں پر آپ لگا رہے ہیں کیا یہ کوئی نئی بات ہے، یا حضرت عمرؓ جن کی حکومت نے ان سے معاہدہ کیا تھا، ان ہی کے زمانے سے ان خلاف ورزیوں کے وہ مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں، انھوں نے یہ بھی کہا کہ عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بھی کیا یہی وہ نہیں کرتے

لہ امام مالکؒ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں "فتح کی حمایت اس لئے کرنی چاہئے کہ وہ فتح ہے" اس قسم کے جھوٹ کے گھڑنے کی صلاحیت کم از کم مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی، ہم تو فتح کی حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ سب سے بڑی قوت والا خدا فتح کی بنا کرنے والوں کا حامی بن جاتا ہے، امام مالکؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے باقی اس کے سوا جو کچھ بھی ہو صرف عقلی مغالطے اور تعبیری ... سے زیادہ اس کی کچھ وقعت نہیں ہے بنی تغلب کے عیسائیوں کی پوزیشن کی تفصیل ... سیاسی زندگی ... سکتی ہے

جو آج کر رہے ہیں اور جس کا الزام آپ ان پر لگا رہے ہیں،

امام محمدؒ نے کہا کہ حکومت کے ان سارے ادوار میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں بنی تغلب سے بازپرس نہیں کی گئی تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہے کہ

فهذا صلح من الخلفاء بعده و	حضرت عمرؓ کے بعد کے خلفاء کی طرف سے
لا شيء يلحقك في ذلك	اب گویا ان کے ساتھ صلح کی یہی صورت طے ہو گئی
	اور اس صلح میں دست اندازی کا کوئی حق آپ کو
(تاریخ بغداد خطیب ج ۲ ص ۱۷۳)	نہیں پہونچتا

بعض روایتوں میں ہے کہ ہارون نے امام محمدؒ سے پہلے کہا تھا کہ حضرت عمرؓ کو موقع نہ مل سکا، کیونکہ بنی تغلب کے ساتھ صلح کرنے کے کچھ ہی دن بعد ان کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا، امام محمدؒ نے کہا کہ مان لیا جائے کہ عمرؓ کو موقع نہ ملا، لیکن ان کے بعد بھی دو عادل ائمہ (عثمانؓ و علیؓ) کے زمانہ میں بھی یہ جانتے ہوئے کہ بنی تغلب معاہدے کے بعض دفعات کی تکمیل نہیں کر رہے ہیں، ان سے پوچھ گچھ نہ کی گئی، جس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ بنی تغلب کے معاہدے سے اس شرط کو عملاً حکومت نے خارج کر دیا، آپ کے لئے ایسی صورت میں دخل اندازی کی کوئی قانونی شکل باقی نہیں رہی، لکھا ہے کہ ہارون نے امام محمد کے اس فتوے کو سن کر کہا کہ

نجريه على ما اجروه انشاء	ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اسی طرز
الله تعالى،	عمل کو جاری رکھیں گے جسے ان خلفاء نے
(ج ۲ ص ۱۷۳)	ان کے ساتھ جاری رکھا،

کہتے ہیں کہ آخر میں ہارون نے امام محمدؒ سے یہ بھی کہا کہ

"آپ اس شخص کے لئے دعا کرتے رہیں جس کے ہاتھ میں خدا نے لوگوں کے معاملات

سپرد کئے ہین، اور اپنے شاگردون کو بھی کہئے کہ اسی کی وعادہ بھی کرتے رہین (ص ۱۴۳)

دیکھا آپ نے مسلمانوں کا حکمران اپنی حکومت کے ایک غیر مسلم طبقہ کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اسلام نے آگے بڑھ کر اس کو روک دیا اور بنی تغلب کے عیسائیون کو اپنی حفاظت مین لے لیا،

لوگ علمائے اسلام پر تنگ نظری کا الزام عائد کرتے ہین، اسلام اپنی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے، بزم و رزم ہر طرح کے لوگ عالم ہوتے رہے ہین، ہوسکتا ہے کہ کبھی بعضون کی طرف سے ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہو جن پر تنگ نظری کا اطلاق درست ہو، لیکن جہان تک مین جانتا ہون اکثریت علماء مین بھی ان ہی لوگون کی نظر آتی ہے جن کی ایک مثال (امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا مذکورہ طرز عمل ہے،

اور یہ تو خیر اسلام کے اس عہد کی مثال ہے، جس کے متعلق دوست ہی نہین دشمنون مین بھی جن لوگون نے اسلامی تاریخ اور اسلامی علماء کے حالات کا مطالعہ کیا ہے وہ ان کی آزادی رائے اور وسعت نظری کے اعتراف مین مجبور ہین،

مگر مین تو آپ کے سامنے اس زمانہ تک کی مثالین پیش کرتا ہون جب یہ واقعہ ہو کہ علمائے اسلام اپنی پرانی خصوصیتون سے محروم ہو چکے تھے، امام محمدؒ کی طرح فتوی دینے مین قانون کے ساتھ ساتھ حالات اور واقعات کو بھی سامنے رکھنے کی عادت روز بروز کم ہوتی چلی جا رہی تھی، قانون کی روح سے زیادہ قانون کے الفاظ پر اصرار بیجا کا طریقہ مولویون مین پھیل چکا تھا، تاہم زوال و انحطاط کے اس زمانے کی بھی یہ مثالین لوگون کی آنکھین کھول سکتی ہین،

آپ جانتے ہین کہ عثمانی ترکون کے زمانہ کے علماء پر قانون کے الفاظ کا رعب چھایا ہوا تھا، تاہم اسی زمانہ کا قصہ ہے مشرقی یورپ کا بڑا حصہ ترکون کے قبضہ مین آچکا تھا نہ صرف اسی

علاقے کے عیسائیون بلکہ ترکی علاقے کے ہر عیسائی کے متعلق لکھا ہے کہ سلطان سلیم عثمانی نے ارادہ کیا کہ

"عیسائیون کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے یا ان کو یہ حکم دیا جائے کہ ہمارے علاقہ سے وہ نکل جائین"

سلیم اپنے ارادہ اور عزم مین جتنا پختہ تھا، اس سے سلاطین ترکی کے حالات کے جاننے والے واقف ہین، یہ واقعہ ہے کہ سلطان سلیم کا یہ ارادہ اگر نافذ ہو کر عمل کی صورت اختیار کر لیتا تو سلطنت ترکی ہی مین نہین بلکہ بلقانی ریاستون کے اکثر حصون مین آج عیسائیت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا، مگر اس وقت بھی مسلمانون کے اس حکمران کو جس قوت نے اپنے حدود سے آگے بڑھنے نہ دیا وہ لامذہبیت اور بے دینی کی قوت نہ تھی بلکہ دینی طاقت کے ایک نمایندہ عالم جن کا نام مفتی جمالی تھا، وہ سلیم کے دربار مین حاضر ہوتے ہین، اور اس غضبناک خونی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر صاف لفظون مین اعلان کرتے ہین،

لا یحل لک ذالک — تمھارے لئے یہ اقدام کسی حیثیت سے بھی جائز نہین ہو سکتا،

(تعلیقات مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۱ شکیب ارسلانؒ)

مفتی جمالی نے اس قوت کے ساتھ اسلام کے اس فتوی کو سلیم کے سامنے پیش کیا، کہ اس کا آہنی ارادہ بھی موم بن کر رہ گیا،

اسی سلطنت ترکی کے ایک دوسرے واقعہ کا تذکرہ تاریخون مین ملتا ہے، یہ قصہ تو طویل ہے، حاصل یہ ہو کہ مراد رابع کا ۱۰۴۹ھ مین انتقال ہو گیا، اور خاندان عثمانی مین مراد کے بھائی ابراہیم کے سوا کوئی دوسرا شاہزادہ ایسا باقی نہ رہا تھا جسے بادشاہ بنایا جائے، ارباب حل و عقد نے ابراہیم ہی کو بادشاہ منتخب کیا، آسٹریا اور سلطنت ترکی سے جو آویزش زمانے سے چلی آ رہی تھی اس آویزش کو حالانکہ ابراہیم نے صلح کر کے ختم کر دیا تھا لیکن باین ہمہ حسب عادت یورپ

والے ترکی حکومت کو بر و بحر میں زک پہونچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے، ایک جہاز ترکی سے عرب روانہ ہوا، اس میں حرم شاہی کی ایک حرم بھی تھی، اور حرم کے ساتھ بچہ بھی تھا، مالٹا کے بحری قزاقوں نے اس ترکی جہاز پر حملہ کیا، کش مکش کے بعد جہاز والے مغلوب ہوگئے، اور حرم سرا کی لونڈی اپنے بچہ کے ساتھ مالٹا والوں کے ہاتھ آئی، حالانکہ یہ بچہ ابراہیم کا زائیدہ نہ تھا، لیکن حرم شاہی کے ساتھ اس کو پاکر یہی مشہور کردیا گیا کہ ایک عثمانی شاہزادہ گرفتار ہوا ہے، اس شہرت کے ساتھ اس بچہ کو جبراً عیسائی بنالیا گیا، اور مذہبی تعلیم دے کر مذہبی پیشوا بھی لوگوں نے اس کو بنالیا، لکھا ہے کہ مالٹا کے عیسائیوں میں راہب (pada otto mani) یعنی عثمانی پادری کے نام سے مشہور ہوا سارے یورپ والے اس پادری کو ترکوں کے شاہی خاندان کا شاہزادہ سمجھتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ جزیرہ کریٹ پر بھی اسی زمانے میں مالٹا والوں نے حملہ کردیا، بہر حال اس عام رسوائی اور فضیحت کے سوا جو اس فرضی ترکی شاہزادے کے پادری بن جانے کی وجہ سے سلطنت ترکی کی ہو رہی تھی، دوسرے واقعات نے بھی انتقام کے جذبہ کو ہوا دی، ابراہیم پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی جنون میں اس نے یہ فرمان نافذ کیا کہ

"ممالک محروسہ کے ایک ایک عیسائی کو چن چن کر قتل کردیا جائے۔"

مگر ان بے قصور عیسائیوں کی جان بچانے کے لئے اس وقت بھی جو آگے بڑھا وہ سلطنت ترکی کا شیخ الاسلام ہی تھا،

امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ

ان شیخ الاسلام عارض بشدة فتوقف	شیخ الاسلام نے پوری قوت کیساتھ ابراہیم کی اس
عن انفاذ هذا الامر (تعلیقات مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)	فرمان کا مقابلہ کیا تاآنکہ شاہی فرمان کا نفاذ نہ ہوسکا

---

(۱) ابراہیم نے پھر یورپ کے باشندوں کے قتل کا حکم دیا جو ترکی علاقوں میں تھے، لیکن اس حکم کی تعمیل بھی نہ ہوسکی،

دور کیوں جایئے، اسی ہندوستان میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے یعنی سکندر لودی نے علماء کو بلاکر جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے یہ دریافت کیا کہ تھانیسر اور کرکشیتر میں ہندوؤں کا جو اشنان گھاٹ ہے، اور طرح طرح کے افعال کا ارتکاب وہاں کیا جاتا ہے اس کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے، ایک عالم نے سکندر کے رجحانات کو جاننے کے باوجود صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ

"نہ وہاں کے بت خانے کو آپ ہاتھ لگا سکتے ہیں اور نہ اس تالاب میں دست اندازی کر سکتے ہیں جس میں ہندو غسل کرتے ہیں"،

کہتے ہیں کہ مولوی کے اس فتوے کو سن کر سکندر بیتاب ہوگیا

دست بخنجر کردہ گفت کہ حمایت کفار می کنی،	خنجر کو ہاتھ میں لیکر سکندر نے اس مولوی کو خطاب کر کے کہا کہ تم کافروں کی حمایت کرتے ہو

بادشاہ بے دینی پر آمادہ تھا، خنجر بکف سامنے آگیا ہے لیکن اسلامی دین کا نمائندہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اس وقت بھی یہی کہہ رہا تھا

انچہ در شرع آمدہ ست می گویم و راہ خلاف نمی گویم (ص ۱۸۷ ج ۱)	شریعت اسلامی کا جو حکم ہے میں اسی کو دہرا رہا ہوں اور کوئی غیر شرعی بات نہیں کہہ رہا ہوں،

(باقی حاشیہ ص ۲۱۰) آخر میں صرف یورپین حکومتوں کے سفراء گرفتار کرلئے گئے، اور ان کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ حکومت ترکی کی یہ رسوائی تم لوگوں نے اور تمہاری حکومتوں نے کیسے برداشت کی، ان میں انگلستان، ہالینڈ، وینس وغیرہ کے سفراء سبھی شریک تھے، سفیروں نے جواب دیا کہ مالٹا کے ان لٹیروں پر ہماری حکومتوں کو کسی قسم کا اقتدار نہیں ہے، البتہ فرانس کی حکومت چاہتی تو ان کو روک سکتی تھی، ابراہیم نے ان کو تو چھوڑ دیا، اور حکم دیا کہ فرانس پر چڑھائی کا انتظام کیا جائے، مگر وزراء نے کریٹ کی فتح کی طرف سلطان کو متوجہ کرکے اس ارادہ کو ملتوی کرایا (تعلیقات مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۸)

سکندر اور سکندر کے عہد کے وہ موبدی صاحب دنیا مین باقی نہ رہے لیکن کورک شیتر اپنی ساری عبادتگاہون اور بھان گھاٹون کے ساتھ آج بھی موجود ہے، یقیناً اس دن اسلام ہی تھا جس نے ہندوؤن کے ان معابد اور غسل خانون کو بچالیا، ورنہ سکندر اور اس کی طاقت سے جو واقف ہین، وہ سمجھ سکتے ہین کہ مذہب درمیان این گر اس کا ہاتھ اگر نہ روک لیتا تو آج کوئی کورکشیتر کا جاننے والا بھی دنیا مین موجود نہ رہتا،

بہرحال میری غرض یہ ہے کہ سلف کے اسلامی حکمرانون پر مسلمانون کا ایک طبقہ جو آج جھنجھلا رہا ہے، اور اپنی موجودہ پریشانیون کا الزام ان کے سر تھوپنا چاہتا ہے، میرا خیال ہو کہ واقعات سے واقف ہو جانے کے بعد مسلمان بادشاہون پر نہین، بلکہ اس کو چاہئے کہ اسی دین پر الزام لگائے جس دین کی حفاظت اور صیانت کی جہانی تدبیرون مین اپنی اسس تدبیر کا بھی اضافہ کرتا ہے کہ اپنی حکومت کے غیر مسلم باشندون کو ہمارے بادشاہون نے باقی کیون رہنے دیا.. ورنہ جو مصیبت ان ہی کی پچھلی نسلون نے مسلمانون پر توڑی ہے اور توڑ رہی ہین اس مصیبت کا سدباب اسی زمانہ مین ہوجاتا

اب ان بھولے بھالے معصومون کو مین کیا سمجھاؤن، یورپ مین تو اسی کا انتظام کیا گیا تھا، چن چن کر وہان کے باشندے عیسائی بنالئے گئے، لیکن باوجودیکہ سارا یورپ ایک مذہب کا پیرو بن گیا، مگر اسی ایک دین کے ماننے والے عیسائیون کے درمیان کیا کچھ نہین ہوا۔ اور کیا نہین ہو رہا ہے،

غرب یورپ نے دینی وحدت ہی نہین بلکہ تعلیم وجمہوریت اور خدا جانے کن کن طریقون سے ان مصائب کے انسداد کی کوشش کی، لیکن کوئی تدبیر اس راہ مین کارگر ثابت ہوئی ہے؟

جب ان مصائب کے اسباب ہی دوسرے ہین تو پھر خود ساختہ اسباب کے ازالہ کی کوشش ہمیشہ ناکام رہے گی، (باقی)

---

[1] ہسپانی سلطنتون نے اپنی کل رعایا کو یا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا اور یون متحد مذہب والی قومین بنالین، ڈاکٹر عبدالحکیم مرحوم نے اپنی سیرت مین دینشا انگ کو اور زلی برودیو سے یہ شہادت نقل کی ہے دیکھو انکی کتاب النبی والاسلام خود ہندوستان مین بودھ مذہب کو اسی لئے نابود کیا گیا مگر اسی زمانہ سے ہندوستان صدیون کی غلامی مین مبتلا ہوگیا،

ناصر الدین قباچہ کا علمی دربار

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب (علیگ)

ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین التمش دونون سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے، اور دونون علحدہ علحدہ سلطنتون کے مالک ہوئے، التمش دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، اور قباچہ کا دار السلطنت ملتان قرار پایا، اس کی مملکت مین اُچہ، سیوستان، اتبر ہندہ و بھٹنڈہ، کہرام اور سرستی وغیرہ شامل تھے، طبقات ناصری کے مؤلف مولانا منہاج سراج جو ہندوستان پہنچکر قباچہ ہی کے دربار کے علمی اُفق پر نمودار ہوئے، اس کی فہم وفراست، عقل ودانش اور تدبیر کی تعریف مین رطب اللسان ہین، ان اوصاف کے ساتھ وہ شعراء وفضلاء اور علماء کا بھی بڑا قدردان تھا، تاتاریون کی غارتگری، وحشت انگیزی اور خون ریزی سے گھبرا کر خراسان، غور اور غزنین کے جن اکابر واشراف نے ہندوستان کا رُخ کیا، اُن مین شعراء وعلماء بھی تھے، قباچہ کے دربار مین اُن کی بڑی پذیرائی ہوئی، طبقات ناصری مین ہے کہ

"او (یعنی قباچہ) درحق ہمگنان انعام واکرام وافر فرمودہ" (ص ۱۴۳)

محمد عوفی جس کا ستارۂ اقبال قباچہ ہی کے دربار مین چمکا، اپنے تذکرہ لب اللباب مین رقمطراز ہے

"یہ دربار علماء وفضلاء سے پُر ہے یہ ایک ایسا آسمان ہے جس مین ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہین، یہ ایک ایسا بوستان ہے جہان فضل کی کلیان اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہین"

(ص ۱۰، ۱۱ جلد دوم)

عوفی نے ان علماء، فضلاء اور شعراء میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے، ان کے نام مع القاب کے حسب ذیل ہیں،

(۱) الاجل المحترم شمس الدولہ والدین سید الندمار تاج الفضلاء مفخر القدمار محمد الکاتب البلخی (۲) الاجل فخر الشعراء ضیاء الدین السجزی، بقیہ دو کے نام لب الالباب کے مرتب ای جی ۔ براؤن کو غالباً قلمی نسخے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکے، اس لئے لب الالباب کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۱۰۴ و ص ۱۱۲ میں اُن کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، مگر اورینٹل کالج میگزین لاہور (نومبر ۱۹۳۵ء) کے ایک مضمون نگار نے گل رعنا مؤلفہ لچھمی نرائن کی مدد سے نمبر ۱۶۰ کے شاعر کا نام فضلی ملتانی بتایا ہے،

شمس الدین محمد بلخی عوفی شمس الدین محمد بلخی کے شاعرانہ کمال اور ذاتی اوصاف و محاسن، لطافت طبع خلق و کرم، اور دوست پروری وغیرہ کا بڑا معترف ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

"وہ ایک ایسا جوان ہے جس کی نظیر چرخ پیر نے نہیں دیکھی ہے، اور چکر لگانے والے آسمان نے اس کے جیسا جامع صفات کسی اور کو نہیں پایا" (ص ۱۰۲)

شمس الدین بلخی اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، عوفی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں مشہور خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے بھی بہتر تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"در خط بدرجہ کہ ابن البواب انگشت بر حرف او نتواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ از مشاہدہ دلبران خط او بر نتواند داشت"، (ص ۱۰۲)

عوفی رقمطراز ہے کہ شاعری میں شمس بلخی انوری کا ہم پایہ تھا، "در شعر عدیل انوری" (ص ۱۰۲) اور تاج الفضلاء اور مفخر القدمار کے جیسے القاب سے اس کو یاد کیا ہے، قباچہ کے دربار میں اس کی شاعری کو اور بھی زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے سلطان کی مدح کے قصائد میں اپنی شاعری کا جوہر خوب دکھایا، اس کا سرپرست اور مولی قباچہ کا وزیر عین الملک بھی تھا، اس کی مدح میں بھی شمس الدین نے

قصیدے لکھے جن کا ذکر آئے گا،

فضلی ملتانی مولانا فضلی ملتانی بخارا میں عوفی کے ہم درس اور ہم مکتب تھے، ہیں دونوں نے امام فخر الدین کی جامع الصغیر حفظ کی، جب مولانا فضلی ملتانی قباچہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوئے تو یہاں ان کے علم و فضل کو ایسا عروج ہوا کہ ابنائے کبار و علمائے نامدار میں اس کا شمار ہونے لگا، (لب الالباب جلد دوم ص ۲۲۳) وہ اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر بھی تھے، اور قباچہ اُن کی شاعری کا قدردان تھا، اس قدردانی کی وجہ سے ان کو بھی سلطان کی ذات سے گرویدگی تھی، چنانچہ اس کی شان میں قصائد لکھکر اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے، ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ نامۂ تائید تو از انا فتحنا آمدہ

ناصر دین خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق اے مہ چتر تو بر گردون مینا آمدہ

از پئے اعلائے دین نصر من اللہ در ازل بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ

منظر قصرت ز کیوان در گذشتہ از علو مسند قدرت بر از عرش معلا آمدہ

ظلم پیدا فتنہ پنہان کردہ ردی از ہیبت امن سمر پوشیدہ از عدلت بصحرا آمدہ

گر مثالت فی المثل رفتہ سوی فغفور چین بے توقف ز جواب تو اطعنا آمدہ

ابر نیسان کم زدہ لاف سخاوت چون کفت در گہر بخشی فزون از ہفت دریا آمدہ

بادۂ جام تو اے اسکندر ثانی بہ بزم چون زلال چشمہ حیوان مصفا آمدہ

چون کشتی لشکر بعزم رزم لشکرگاہ تو جملۂ ہامون و دشت و شیب، بالا آمدہ[1]

ناظرین کی ضیافت کے لئے مولانا فضلی کی کچھ رباعیاں بھی پیش کیجاتی ہیں،

کردی سیم زآن شب گیسو کہ تراست نیکوست رخت ولیک بہ خو کہ تراست

[1] لب الالباب جلد دوم ص ۲۲۵،

در پہلوے تیر غمزۂ مردم کش   احسنت زہے کمان ابرو کہ تراست

آغاز نہاد فتنہ بازش چہ کنم   چون داشتہ ام محرم رازش چکنم

بسیار ز خشم دست بر دست زدم   کوتاہ نشد دست درازش چکنم

ہر لالہ کہ چشم کو بہاری بودست   صد قطرہ ز خون تاجداری بودست

مسپر بقدم سبزۂ بستان گستاخ   کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

ضیاء الدین سنجری کو عوفی نے فخر الشعراء لکھا ہے، یہ اپنے زمانہ کے قادر الکلام شاعر تھے، اس کے قصیدہ کا نمونہ آگے پیش کیا جائے گا،

طبقات ناصری کے مؤلف مولانا ابو عمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی کا علمی اقبال بھی ہندوستان میں قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، انکا سنہ پیدایش ۵۸۹ھ ہے، انھون نے سلطان غیاث الدین محمد بن سام کی لڑکی شہزادی ماہ ملک کے محل میں پرورش پائی، ان کی والدہ کو شہزادی ماہ ملک کی دودھ شریک بہن ہونے کا فخر حاصل تھا، ان کے دادا کے دادا کی شادی غزنین کے شاہی خاندان میں ہوئی تھی، سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد مختلف مقامات مثلاً حصار تولک، کر یو، تمران اور غور کی سیاحت کی، مختلف مقامات میں مختلف سلطانون کی جانب سے رسالت و سفارت کی خدمت انجام دیتے رہے، ۶۲۱ھ و ۶۲۲ھ میں حصار تولک سے قہستان اسی خدمت کے سلسلے میں گئے تھے، ۶۲۳ھ میں ملک خضار کے رکن الدین بختیار کی جانب سے سیستان کے بادشاہ ملک تاج الدین نیالتگیں کے پاس گئے، اس نے ان کو اس سال قہستان کے بادشاہ شمس الدین محتشم کے پاس بھیجا، وہان سے واپس ہو کر ملک رکن الدین کے ساتھ قیام پذیر ہوئے، اور دوبارہ ملک رکن الدین کے لڑکے کے ساتھ نیالتگین کی جانب سے شرائط صلح طے کرنے کے لئے شمس الدین

محتشم کی خدمت میں بھیجے گئے، وہان سے مراجعت کے بعد نیالتگین نے ان کو پھر شمس الدین محتشم کے پاس بھیجنا چاہا، تو انھون نے انکار کیا، اس کی سزا میں قید میں ڈال دیئے گئے، مگر ملک رکن الدین کی سفارش سے رہا ہوئے، رہائی کے بعد غزنین ہوتے ہوئے ۶۲۴ھ میں اُچ پہونچے، ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اُن کی بڑی پذیرائی ہوئی، مدرسۂ فیروزی اُن کے سپرد کیا گیا، اور قباچہ کے لڑکے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کے قاضی مقرر ہوئے[۱]، ان کا ذکر دوسرے سلاطین دہلی کے سلسلہ میں بھی آئے گا،

قباچہ کے دربار کی علمی فضا اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین الحسین ابن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کی علم دوستی اور علم پروری سے اور بھی زیادہ روشن اور منور تھی، وہ علوم و فنون کا دلدادہ اور اپنے آقا کی طرح شعراء کا بڑا مربی اور سرپرست تھا، شعراء سلطان اور وزیر دونون کی شان میں قصیدے کہتے اور دونون سے داد پاتے تھے، عین الملک کی مدح میں تاج الفضلاء مولانا شمس الدین بلخی ایک قصیدہ میں کہتے ہیں،

یوسفِ کنعان حسنے وز دو عناب تو ہست   سال و ماہم پایمال دست گمان یافتہ

ذر دریاے ملاحت صورتِ زیباے تو   آنکم اندر عشق خود ہم رنگ جان یافتہ

آبِ حیوان لعلِ تست و معجزِ عیسیٰ خرد   دایم از خاک در دستور گیہان یافتہ

صاحبِ جمشید رتبت فخرِ دنیا عین ملک   آنکہ ملک از راے او تمکینِ امکان یافتہ

از سواد موسی کلکت ید بیضاے ملک   ہمچو موسیٰ از عصا اعجاز ثعبان یافتہ

خصم بدکیش ترا چرخ کمان وش روز عید   از حسامت بر بساط کینہ قربان یافتہ

تا جہان باشد بقاے دولت و جاہ تو باد

اے جلال و عز و جاہ از فضلِ یزدان یافتہ

---

[۱] طبقات ناصری ص ۲۸ و ۸۵ - ۸۸ و ص ۹۴ ۳ و ص ۱۴۱، ص ۱۴۶ و ص ۱۴۴،

ضیاء الدین سجزی نے بھی عین الملک کی مداحی کی ہے جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں، ان سے قصیدہ نگار کے ممدوح کی فیاضی اور علم دوستی کے ساتھ اس کے کلام کا رنگ اور اس زمانہ کی قصیدہ گوئی کے طرز کا کچھ اندازہ بھی ہوگا،

زین طراوت تا ابد خالی نہ بینی باغ را زانکہ از دولت سرائے صاحب دریا عطاست
خواجۂ آفاق عین الملک کز تعظیم او آسمان مرتبت را آفتاب کبریاست
آصف جمشید رتبت فخر دین و دولت آن کاستان چرخ سایش سجدہ جای اصفیاست
اے حسن خلق حسین اسمی کہ از بہر شرف بخت بر درگاہ امرت بندۂ فرمانرواست
صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام صرف کردم جاہ تو بر صدق دین دعوی گواست
ملجأ خود جز جناب جاہ تو نشناختم از جوانی تا گہ پیری کہ ہنگام عناست
عہد برنائی گذشت اکنون موئیم شد سپید در زمانہ نا امیدیہائے دیگر در قفاست
در جوانی چون عزیزم داشتی از راہ لطف حق پیری را اکنون گر شناکرم ادی رواست
بادعا سازم کہ در مدح تو عاجز یافتم خاطر خود را اگرچہ مبلغ حمد و ثناست

رتبت صدر وزارت جاودان جاہ تو باد
کز ترقی جاہ تو پیرایۂ عز و بقاست[1]

عین الملک کی مدح میں لباب الالباب میں ایک اور قصیدہ درج ہے مگر قصیدہ نگار کا نام مرتب لباب الالباب کو معلوم نہیں ہو سکا، گو اس کے کچھ حالات کتاب میں موجود ہیں، وہ بامیان کا رہنے والا تھا، صاحب قلم اور صاحب سیف بھی تھا، اس نے سمنگان اور سیرک کی ڈیالت بھی کچھ دنوں تک کی تھی، سلطان جلال الدین کی طرف سے اس کو نبزدش کا لقب عطا ہوا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان

[1] لباب الالباب ص ۲۲۷،۲۲۶،

ملک میں اس کی قدردانی کم ہو گئی تھی، اسی لئے وہ قسمت آزمائی کے لئے ہندوستان پہونچا، یہاں قباچہ کے دربار سے وابستہ ہوا، اور عین الملک کے دامن عاطفت میں پناہ لی، اور بقول عوفی اپنے قلم مشکبار سے اس کی مداحی شروع کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ سوال و جواب کی شکل صنعت میں لکھا ہے، لیکن اس صنعت کے باوجود قصیدہ کا ہر شعر زور بیان، سلاست اور روانی کی اعلیٰ مثال ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

گفتم بدان نگار کہ خورشید انوری گفتا زدی نکوترم ار نیک بنگری
گفتم کہ دل ربائی جانان ز عاشقان گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری
گفتم مہ چہار دہی بر سپہر حسن گفتا مہ مراست ہزار از تو مشتری
گفتم بہ بندگی تو اقرار می کنم گفتا چو تو بسیب کنونم بجا کری
گفتم کہ جان نزد تو آرم بخدمتے گفتا کہ تحفہ ایست ز بے سیمی و زری
گفتم گہر فشانی ز اوصاف شاعریست گفتا کہ زر ستانیت آئین دلبری
گفتم کہ شعر من گہر بحر خاطرست گفتا کہ شعر خواہم دیباہی ششتری
گفتم ثنائے صاحب آفاق خوانمت گفتا کہ چون بخوانی خوانم برابری
گفتم کہ عین ملک جہان فخر دین حق گفتا کہ آن حسین ابوبکر اشعری
گفتم بیان اوست بہ از تیغ خسروی گفتا بنان اوست بہ از رمح صفدری
گفتم گہر برآرد غواص کلک او گفتا ز بحر وصل گہ آشنا وری[1]

عین الملک کے گلدستہ علم و ادب کا گل سر سبد نور الدین (یا سدید الدین) محمد عوفی تھا، وہ مشہور صحابی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اولاد سے تھا، اسی لئے عوفی لکھتا ہے، عوفی کے دادا قاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی ماوراء النہر کے مشہور علماء میں تھے،

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۱۹۴،

عوفی بخارا میں پیدا ہوا، اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر اس کی تکمیل اور علماء و مشائخ سے استفادہ کے لئے ماوراء النہر، خراسان، سمرقند، اموی، خوارزم، مرو، نیشاپور، ہرات، اسفراز، سجستان، فراہ، غزنین کی سیاحت کی، اور یہاں کے علماء و فضلاء سے مستفید ہوا، سفر کے دوران میں امراء و سلاطین سے بھی تقرب حاصل کرتا رہا، ۵۹۷ھ میں ماوراء النہر کے بادشاہ شاہ قلیج طمغاج خان ابراہیم کے لڑکے قلیج ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہوکر اس کے دیوان انشاء کا نگران مقرر ہوا، مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا، یہاں سے نکل کر کچھ دنوں خراسان میں رہا، اور نیشاپور، اسفرائن اور ہرات وغیرہ کی سیاحت کی، پھر تاتاریوں کی یورش کے زمانہ میں خراسان سے نکل کر ۶۱۷ھ میں ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اُچہ پہنچا، یہاں اُس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر ممتاز کرکے اس کی قدر دانی کی گئی، ۶۱۸ھ میں عید کے موقع پر اُس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا، وہ لباب الالباب جلد اول ص ۱۵ پر منقول ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ کسی عہدہ پر مامور ہوکر کنبھائت پہنچا، یہاں اُس نے قاضی ابی علی المحسن بن علی بن محمد بن داؤد متوفی (المتوفی ۳۸۴ھ) کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ شروع کیا، اور اپنے آقا کے نام کے ساتھ اس کا انتساب کیا، اس انتساب میں اس نے سلطان کے لئے جو القاب استعمال کئے ہیں، اس سے اس کے ساتھ اس کے احترام و عقیدت کا پتہ چلتا ہے، لکھتا ہے:

"قدر فرمان ملک معظم خسرو اعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک والعجم ناصر الدنیا و الدین غیاث الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرم السلاطین سلطان ارض اللہ ناصر عباد اللہ حافظ بلاد اللہ المؤید بنصر اللہ محرز ممالک الدنیا مظہر العلیا ابوالفتح قباچہ۔"

عوفی کا اصلی شاہکار اس کی کتاب **لُبابُ الالباب** ہے جو اُس نے ناصر الدین قباچہ کی

۱؎ انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۵۰۴، نمبر ۳۰۷، عوفی کے حالات کے لئے دیکھو مقدمہ لباب الالباب حصہ اول براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۷۷-۴۷۸۔

ملازمت کے زمانہ میں عین الملک کی سرپرستی میں لکھی، یہ کتاب دو جلدوں میں اڈورڈ براؤن محمد بن عبد الوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں انگلستان سے شائع کی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث ہے، پانچویں اور چھٹے میں مختلف سلاطین، ملوک، امراء اور وزراء کی فارسی شاعری کا ذکر ہے، ساتویں میں ماوراء النہر، خراسان، نیمروز، عراق، غزنین اور جبال کے ائمہ، علماء اور فضلاء کی شاعری پر تبصرہ ہے، دوسری جلد کی پانچ فصلوں میں آل طاہر، آل لیث، آل سامان، آل ناصر، آل سلجوق اور ناصر الدین قباچہ کے درباری شعراء کا بیان ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فارسی کے ابتدائی دور کے شعراء کا تذکرہ ہے جو دولت شاہ کے تذکرۃ الشعراء سے ڈھائی سو سال پہلے لکھا گیا ہے، اس لحاظ سے فارسی شعراء کے تذکروں میں یہ قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے، فارسی کے بہت سے قدیم شعراء کے حالات اور ان کی شاعری کے نمونے صرف اسی کتاب کی بدولت ملتے ہیں، گو مصنف نے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق شعراء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو نہیں لکھے ہیں، پھر بھی فارسی کے قدیم شعراء کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ کتاب اب تک بہت زیادہ قابل قدر سمجھی جاتی ہے، اس کی عبارت شروع سے آخر تک مسجع اور مرصع ہے جس کو اس زمانہ کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے،

یہ کتاب عین الملک کی سرپرستی میں لکھی گئی، اس لئے مؤلف نے دیباچہ کے ابتدائی چھ صفحوں میں اپنے مربی اور محسن کی مدح و توصیف نثر اور نظم دونوں میں کی ہے، نثر میں جو القاب اپنے ممدوح کے لئے لکھے ہیں وہ ..... عین الملک سے اس کی عقیدت کے ساتھ اس کے اشہب قلم کی جولانی کی بھی دلیل ہیں، دیباچہ کے علاوہ بھی جا بجا وہ عین الملک سے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار والہانہ انداز سے کرتا ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے:۔

۱؎ دیکھو مقدمہ لباب الالباب جلد اول از براؤن ص ۱۱۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۷۷۔

مردم دیدہ بگر چون ردح درخور آمدہ　　بادہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دوربینی بین کہ چون نزدیک گرد غم بدو　　چون عروس شادمان در در و گوہر آمدہ
آن بہشتی لعبت میمون لقا در روز و شب　　منزل و مادی نگر در آب کوثر آمدہ
چون مشعبد ہندوی زنگی فراجست او ببین　　دست لعبت ہر زمان از رنگ دیگر آمدہ
ہمچو لطف صاحب صاحب قران تصویر او　　نزد اہل عقل و دل باجان برابر آمدہ
آصف ایام عین الملک فخرالدین کہ ہست　　قدر او از مرکز افلاک برتر آمدہ
قدوۂ دوران حسین ان صاحب کز عز وجاہ　　راہ را خاک درش از رنگ و افسر آمدہ [۱]

ایک قطعہ مین رقمطراز ہے،

تو آن وزیری کہ انصاف پادشاہ جہان　　بحکم تست منفذ ہے ستودہ وزیر
ہر آنکہ جز تو کسے را وزیر پندارد　　جلال و قدر تو واجب کند بر و تعزیر
تو ئی سزاے وزارت بے بکس نرسد　　گزانہ دولت واللہ بالعباد بصیر [۲]

اپنے مربی کے لئے بار بار دعائین کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد　　دیدۂ ملک جہان را نور عین الملک باد
چون بناے ظلم از والی عدلش شد خراب　　تا بود قصر سما معمور عین الملک باد
راے پیرش چون غم کار ممالک می خورد　　دائم از بخت جوان مسرور عین الملک باد

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

اے آنکہ پاسبانی فقرۂ از حل　　چون ماہ و آفتاب بجان گشت مشتری
تا نقش ضمیر نقش طراز جلال باد　　صدر جہان حسین ابوبکر اشعری

---

[۱] لب الالباب جلد اول ص ۲ [۲] ایضاً ص ۵

عین الملک کے حق مین دعائین کرتا ہوا عوفی اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے، دعا کے آخری دو شعر یہ ہین :-

زمانہ را بیسار تو باد جملہ یسار　　سپہر را بہ یمین تو باد جملہ یمین
ز خلق بر تو ثنا باد و از فلک احسنت　　ز بخت بر تو دعا باد و از ملک آمین

یہ جذبات محض شاعرانہ نہین ہین، بلکہ اپنے سرپرست کی علم پروری اور علم دوستی کا سچے دل سے معترف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

"شعر را ہیچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جلال و ماہ آسمان کمال و یگانہ بشر و دوم مطر و سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل موید مظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزرا راست عز عف اللہ جلالہ تمامت" (ص ۷ جلد اول)

ایک دوسرے موقع پر عین الملک کے متعلق رقمطراز ہے،

"بآداب فضائل قدوۂ سحبان وائل و صاحب و صابی در دیوان معاملت پیش ادبکی صبی و دیگر باقل" (جلد اول ص ۱۹۳)

عوفی کی دوسری مشہور تصنیف جوامع الحکایات و لوامع الروایات ہے جو اس نے سلطان ناصرالدین قباچہ ہی کے حکم سے لکھنی شروع کی تھی، مگر ابھی اس کی تکمیل نہین ہوئی تھی، کہ قباچہ التمش کے ہاتھون شکست کھا کر دریاے سندھ مین ڈوب کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی، تو عوفی بھی دوسرے فضلا و شعرا کی طرح التمش کے دربار مین منتقل ہو گیا، اور اس کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کی سرپرستی مین اوس نے جوامع الحکایات و لوامع الروایات کو مکمل کرکے اس معارف پرور وزیر کے نام سے معنون کیا، (دیکھو دیباچہ جوامع الحکایات) یہ کتاب چار جلدون مین ایک سو ابواب پر مشتمل ہے، اور اس مین دو ہزار ایک سو تیرہ حکایتین ہین، یہ اپنی خصوصیات

کی وجہ سے بہت مقبول اور مشہور ہوئی اور مختلف زبانون مین اس کے ترجمے ہوئے، اس کی بعض حکایتین تاریخی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہین، اور بعض قصون مین مذہبی، علمی، معاشرتی، عمرانی نکات پیش کئے گئے ہین، اور زیادہ تر ایسی کہانیان ہین جن مین اخلاقی مسائل مثلاً عدل، حیا، تواضع، عفو، کرم، حلم، بردباری، ہمت، رحم، ایثار، سخاوت، صبر و شکر، حزم، زہد، جد وجہد، سکوت نطق، وفاداری، محافظت عہد، امانت داری، اور دوسرے مکارم اخلاق کے سبق آموز پہلو کی وضاحت کی گئی ہے،

عوفی نے یہ تمام حکایتین تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابون سے جمع کی ہین، ان کے نام بھی جابجا لکھدیے ہین، مثلاً تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، تاریخ العباس، مجمع الامثال، عین الاخبار، شرف النبی، الفرج بعد الشدۃ، خلق الانسان، فوائد کتب حکایتی، مفتاح الحجج، سرالاسرار، تجربۃ الحق، اخبار آل برامکہ وغیرہ،

عوفی کی ایک کتاب مدائح السلطان بھی تھی، جس مین غالباً اس کے قصائد کا مجموعہ تھا،

تفسیر ابنِ جریر طبری کی اہمیت

از

جناب ابو محفوظ الکریم صاحب ریسرچ اسکالر مدرسہ عالیہ ڈھاکہ

امام المفسرین علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ان ائمہ کبار مین ہین جن کی نادر تصانیف کی بدولت اسلامی علوم زندۂ جاوید رہین گے، آپ کی ولادت ۲۲۴ھ قصبۂ آمل[1] واقع طبرستان مین اور وفات ۳۱۰ھ بروز شنبہ شوال کے مہینے، ستاسی برس کی عمر مین بغداد مین ہوئی، اور یکشنبہ کے دن اپنے گھر مین مدفون ہوئے، امام طبری نے بغداد کو اپنا مسکن بنایا، بغداد کے مشرقی حصہ مین قنطرۃ البردان مین آپ کی سکونت تھی، یہ مقام بڑے بڑے ائمۂ نحو و لغت کا فرودگاہ رہا ہے، ابو عبید قاسم بن سلام، علان الازدی، ابو بکر بن معاویہ الفریابی، ابو عبید اللہ محمد بن یحیٰی الکسائی جیسے اکابر و اعیان قنطرۃ البردان مین رہے تھے، ان میں سے

---

[1] آمل (بضم میم واللام) طبرستان کا ایک مردم خیز شہر تھا، جہان طبری جیسے ائمہ علم وفن پیدا ہوئے ان مین سے اکثر و بیشتر بجائے آملی طبری کہلائے، جیحون کے مغربی ساحل پر فربر (فربری راوی صحیح بخاری کا وطن) کے بالمقابل ایک اور شہر اسی نام کا آباد تھا جو آمو اور اموّیہ بھی کہلاتا تھا، تفسیر طبری مطبوعہ میمنیہ کے شروع مین امام طبری کا ترجمہ طبقات ابن السبکی اور وفیات الاعیان سے الگ الگ منقول ہے جسمین طبری کی جائے پیدائش کا نام بجائے آمل طبرستان کے آمد طبرستان مرقوم ہے، یہ طباعت کی غلطی ہے، کیونکہ طبرستان کے کسی خطہ کا نام آمد نہین، بلکہ یہ دیار بکر کے ایک مشہور شہر کا نام ہے، جو ۲۰ھ مین عربون کے ہاتھون فتح ہوا، (معجم البلدان جلد اص ۶۶–۶۵، کتاب الفہرست ص ۲۳۴، الانساب ج ۳ ص ۱۴۳، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبری ج ۴ ص ۵۷۸، الانساب جلد ۳ ص ۱۴۳، الفہرست ص ۳۳۴–۵، الانساب جلد ۳ ص ۱۴۳، تاریخ بغداد دغیرہ، معجم الادبا جلد ۱۸ ص ۴۱)

ہر ایک کی مسجد اپنے اپنے زمانہ میں طلاب علم و ادب کا کعبۂ مقصود رہ چکی تھی، علامہ طبری نے بصرہ، کوفہ، شام، اور دیگر بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے بعد اپنی اقامت کے لئے اسی مقام کو منتخب کیا، تفسیر و حدیث، فقہ و احکام، نحو و لغت کے علاوہ منطق، طب، علم حساب، جبر و مقابلہ میں بھی آپ کو دستگاہ حاصل تھی، کثرت معلومات اور حذاقت کا یہ حال تھا، کہ جس فن میں تقریر یا تحریر کرتے، اس میں فرد یگانہ معلوم ہوتے، عبد العزیز ابن محمد کا بیان ہے[1]:

وکان کالقاری الذی لا یعرف الا القرآن — ایسے قاری معلوم ہوتے تھے گو یا قرآن کے سوا کچھ نہیں جانتے،
وکالمحدث الذی لا یعرف الا الحدیث — اور ایسے محدث " " حدیث " "
وکالفقیہ الذی " الا الفقہ — " " فقیہ " " فقہ " "
وکالنحوی الذی " الا النحو — " " نحوی " " نحو " "
وکالحاسب الذی " الا الحساب — " " حساب دان " " حساب " "
وکان عالما بالعبادات جامعا للعلوم الخ — اور عبادات کے عالم و علوم کے جامع تھے وغیرہ وغیرہ،

علامہ طبری کے حالات زندگی سے بحث کرنا اس مضمون کا مقصد نہیں، اُن کے حالات معارف میں شائع ہو چکے ہیں[2]، بلکہ یہاں صرف اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف جامع البیان فی تاویل القرآن کے مختلف مضامین کا اجمالی خاکہ پیش کرنا مقصود ہے،

تفسیر طبری کو اگر معارف قرآنیہ کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بجا ہے، عالم اسلامی میں شاید یہ پہلی تفسیر ہے، جو اُمت کی ضرورتون کے ماتحت روایت و درایت، فقہ و کلام اور لغت و زباندانی کی قیمتی تحقیقات سے آراستہ کی گئی،

---

[1] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۶۱ [2] رسالہ معارف اعظم گڈھ، پرچہ ماہ اگست و ستمبر ۱۹۲۲ء، از جناب مولوی محمد اویس صاحب نگرامی،

اس تفسیر سے قبل صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختلف ادوار میں قرآن حکیم کی تفسیرین مدون ہو چکی تھیں لیکن ان تفسیرون کی حیثیت تفسیری روایات و آثار کے مجموعون سے زیادہ نہیں تھی، محدثین کی تفسیرین بھی اسی قسم کی تھیں، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام مسلمؒ وغیرہم کے ابواب التفسیر ہماری نظرون کے سامنے ہیں جن سے تابعین و تبع تابعین کی تفسیرون کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے،

ائمہ نحو و عربیہ نے معانی القرآن، غریب القرآن اور اعراب القرآن وغیرہ لکھ کر قرآن حکیم کی بلاشبہ خدمت کی، اور یہ فرض بحسن و خوبی انجام دیا، لیکن اب تک کوئی ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی تھی، جو صحابہؓ و تابعین کی تفسیرون، مفردات قرآنیہ کی لغوی تحقیق، زبان عربی کے اسالیب و تراکیب کے مباحث، اختلاف لغات و قراءات، مباحث فقہیہ، مضامین علم الکلام اور قرآنی نکات و معارف کا مجموعہ ہو،

اس قسم کی سب سے پہلی تفسیر جامع البیان ہی نظر آتی ہے، جس کے اوراق میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اور مجاہد، قتادہ، حسن بصری، عکرمہ، ضحاک، عبد الرحمن بن زید بن اسلم، ابن جریج، مقاتل بن حیان کی تفسیرون کا عطر و خلاصہ کھنچا ہوا ہے[3]

اعراب و معانی اور بلاغت و زباندانی کے مضامین علی بن حمزۃ الکسائی، یحییٰ بن زیاد الفراء ......

...... ابو الحسن الاخفش اور ابو علی قطرب کی کتابون سے ماخوذ ہیں[4] امام موصوف نے اپنی تفسیر میں عقلی نتائج و استنباط[5] اور مسائل کلامیہ کی تشریح کو بھی ملحوظ رکھا ہے، آیات قرآنیہ سے فقہی مسائل کے استنباط میں بھی قوت اجتہاد کا ثبوت دیا ہے، ساتھ ہی قدریہ[6]، جہمیہ، معتزلہ اور روافض وغیرہ فرق باطلہ کی تردید و ابطال اور دیگر شبہات کا حل بھی کرتے گئے ہیں، اور اسی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ تابعین و تبع تابعین کے اقوال کو بیان کرنے کے بعد ایک نقاد و مبصر کی حیثیت سے اپنے مختار اور راجح مسلک کی بھی تصریح کرتے ہیں،

---

[3] الادباء ج ۱۸، ص ۶۳ [4] ص ۶۵ [5] ملاحظہ ہو تفسیر طبری مطبوعہ میمنیہ ج ۱ ص ۱۲۴، جلد ۱ ص ۲۹۱، جلد ۱۵ صفحہ ۱۳ وغیرہ [6] ملاحظہ ہو تفسیر طبری: ص ۵۳، ۵۵-۶۴، ۵۲- جلد اول مثلاً،

ابو بکر بن بالویہ کے قول کے مطابق اس تفسیر کی تصنیف کا زمانہ ۲۸۳ھ ہجری سے ۲۹۰ھ تک ہے، ان کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن جریر طبری نے پوری تفسیر کا املاء کرایا تھا[1]، امام طبری کے ایک اور شاگرد ابو بکر بن کامل کا بیان ہے[2]،

املی علینا من کتاب التفسیر مائة وخمسین آیة ثم خرج بعد ذلك الی آخر القرآن فقرأه علینا وذلك فی سنة سبعین ومائتین

کتاب تفسیر سے ڈیڑھ سو آیتوں کی تفسیر کا املاء کرایا پھر آخر قرآن تک پڑھ گئے، یہ ۲۷۰ھ میں واقع ہوا،

اس کتاب کی عظمت اور اہمیت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ عربی زبان کے بڑے بڑے مثلاً احمد بن یحییٰ ثعلب، ابو العباس محمد بن یزید المبرد، ابو جعفر الرستمی، ابو الحسن بن کیسان، مفضل بن سلمہ، ابو اسحاق الزجاج وغیرہ کی موجودگی میں تفسیر طبری کو مقبولیت عامہ حاصل ہو چکی تھی، اس عہد کے علماء نے اس کو دیکھا اور اس کی اہمیت و عظمت کا اعتراف کیا[3]، فقیہ ابو حامد الاسفرائنی کہتے ہیں[4]، "کہ اگر کوئی شخص صرف تفسیر ابن جریر کے لئے چین کا سفر کرے تو بھی کچھ زیادہ نہیں"، ابن خزیمہ نے ابو بکر بن بالویہ سے اس کتاب کو مستعار لے کر دیکھا، اور ایک مدت کے بعد یہ کہتے ہوئے واپس کیا[5]،

قد نظرت فیه من اوله الی آخره وما اعلم علی ادیم الارض اعلم من محمد بن جریر ولقد ظلمته الحنابلة،

میں نے اول سے آخر تک اس کتاب پر نظر ڈالی، اور میرے علم میں روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، حنابلہ نے اُن کے ساتھ ظلم کیا"،

علامہ سیوطی اتقان[6] میں فرماتے ہیں،

[1] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۶۲ [2] الادبا جلد ۱۸ ص ۴۲ [3] الادبا جلد ۱۸ ص ۴۳ [4] ایضاً ص ۶۲ [5] کشف الظنون (نولکشور) ص ۳۳۶ ج ۲، الادبا جلد ۱۸ ص ۴۲ [6] تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ ۱۹۰ ص ۱۹۰،

وکتابه اجل التفاسیر واعظمها ...... فانه یتعرض لتوجیه الاقوال وترجیح بعضها علی بعض والاعراب والاستنباط فهو یفوق بذلك علی تفاسیر الاقدمین"

اور ان کی کتاب تفاسیر میں اجل و اعظم ہے۔ کیونکہ وہ اقوال کی توجیہ اور ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے اور اعراب و استنباط سے بھی تعرض کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے پیشروؤں کی تفاسیر پر ان کی تفسیر فوقیت رکھتی ہے،

اسی صفحہ[1] میں یہ بھی فرماتے ہیں :-

فان قلت فای التفاسیر ترشد الیه وتأمر الناظر ان یعول علیه قلت تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی انه لم یؤلف فی التفسیر مثله

اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ کونسی تفسیر ایسی ہے جس پر اعتماد کیا جائے، اور جس کو دیکھا جائے تو میں کہوں گا کہ تفسیر ابن جریر ہے، جس پر معتبر علماء کا اتفاق ہے، کہ اس کے مثل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی،

امام نووی[2] کہتے ہیں،

اجمعت الامة علی انه لم یصنف مثل تفسیر الطبری،

اس پر امت کا اتفاق ہے کہ اس کے مثل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی،

امام طبری کے معاصرین نے بھی تفسیریں لکھیں، ان میں سے بعض اہم بھی ہیں، مثلاً حافظ بقی قرطبی (المتوفی ۲۷۶ھ) کی تفسیر جس کے متعلق ابن حزم کہتے ہیں[3] کہ اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی، اس کے علاوہ ابن ماجہ (المتوفی ۲۷۳ھ) ابو سعید الکندی (المتوفی ۲۵۷ھ) ابو اسحٰق انماطی نیشاپوری (المتوفی ۳۰۲ھ)

[1] اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۹۰ [3] معارف، اگست ۱۹۶۲ء

اور دینوری (المتوفی سنہ ۲۹۰ھ) کی تفسیرون کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے لیکن تفسیر طبری کے خصائص و مزایا ان سب سے جداگانہ ہین، اس کی جامعیت اور مقبولیت عامہ کسی کو نصیب نہین ہوئی،

حق یہ ہے کہ امام طبری نے یہ تفسیر لکھ کر صحابۂ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اکثر و بیشتر تفسیری اقوال کو زمانہ کے دست برد سے بچا لیا، اور بعد کے مفسرین کے لئے تفسیر کا بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے، حضرت عبد اللہ بن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کی تفسیرین جن کا تذکرہ ہم صرف تاریخون مین پڑھتے ہین، آج بھی ہمارے پیش نظر ہو سکتی ہین، اگر ان کو تفسیر طبری کی ضخیم جلدون سے چن کر مرتب کر لیا جائے، اسی طرح اگر اس کتاب کے اوراق سے مختلف مضامین کو الگ الگ مجموعون مین ترتیب دیا جائے، تو حسب ذیل مفید و دلچسپ کتابین مرتب ہو سکتی ہین،

۱- معانی القرآن: قرآن کے مشکل الفاظ کی تشریح، اُن کی لغوی تحقیق، اختلاف لغات، محاورات عرب اور شواہد وغیرہ کا ذخیرہ جو تفسیر طبری مین بکھرا پڑا ہے،

۲- اعراب القرآن: اسالیب نحویہ و صرفیہ اور زبان عربی سے جتنے مباحث متعلق ہین ان کا مجموعہ،

۳- بلاغات القرآن: ایجاز و اختصار، تقدیم و تاخیر، حذف و تکرار اور فصاحت و بلاغت کے منتشر مسائل کا مجموعہ،

۴- قرأت القرآن، امام طبری ان ائمۂ قرأت سے ہین جن کو کسی قرأت کو ترجیح دینے کا حق حاصل ہے، اس فن مین اُن کی دو کتابون کا تذکرہ ملتا ہے، ایک کے متعلق[۱] ابو الحسن بن علی الاہوازی (المتوفی سنہ ۴۴۶ھ) کہتے ہین، کہ مین نے قراۃ مین ابن جریر کی ایک کتاب آٹھ جلدون مین دیکھی ہے، اس مین انھون نے تمام مشہور اور شاذ قرأتون کو جمع کر دیا ہے، اور اپنی پسندیدہ قرأت کا بھی ذکر

---

[۱] تبیان الجزائری ص ۹۰، معارف اگست سنہ ۱۹۳۳ء (از شرح سبعہ قرأت مولوی محی الاسلام صاحب پانی پتی)

کیا ہے، مگر اس اختیار و انتخاب مین وہ قراۃ مشہور سے الگ نہین ہوئے"

ممکن ہے اس کتاب کا نام کتاب القرأت ہو، جس کا تذکرہ[۱] امام طبری نے "مالک یوم الدین" کی وجوہ قرأت کو بیان کرتے ہوئے کیا ہے، ابو بکر بن مجاہد اس کتاب کے مداح تھے، اور اُن کا خیال تھا کہ ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب کے طرز پر امام طبری نے کتاب القرأت کی بنیاد رکھی ہے، طبری کے پاس ابو عبید کی کتاب احمد بن یوسف کی روایت سے موجود تھی، کتاب القرأت کا ذکر ابن الندیم نے بھی کیا ہے[۲]،

دوسری کتاب کا نام کتاب الفصل بین القرأت ہے جس مین قراۃ و تجوید کے متعلق ایک مفید خطبہ کے بعد اصل کتاب تھی، اس مین مصنف نے حروف القرآن کی ادائگی مین قراء کے اختلاف کو بیان کیا ہے، اور حرمین شریفین، بصرہ، کوفہ اور شام وغیرہ کے قراء کے نام کے ساتھ ان کی قراۃ کی تصریح کی ہے،

---

[۱] تفسیر الطبری: ج ا ص ۴۹، امام طبری نے کتاب القرأت کے سوا اپنی چند اور تصانیف کا ذکر بھی جا بجا تفسیر مین کیا ہے، مثلاً:-

۱- کتاب اللطیف فی احکام شرائع الاسلام، یہ کتاب طبری کی عظیم الشان تصنیف تھی، جس پر اُن کے مذہب کے معتقدین کا دار و مدار تھا، مضامین کی دقت اور تفصیلات کی کثرت کی وجہ سے طبری نے اس کا نام لطیف القول رکھا تھا، وزیر ابو احمد عباس بن حسن العزیزی کی فرمائش پر کتاب اللطیف کو مختصر کر کے کتاب الخفیف فی شرائع الاسلام کے نام سے موسوم کیا، کتاب اللطیف ڈھائی ہزار اوراق مین پھیلی ہوئی تھی، اس کا نام تفسیر طبری مطبوعہ میمنیہ کے ج ۳ ص ج ا ص ۲۶۹، ج ۴ ص ۳۳ ج ۹ ص ۲۰۸، ج ا ص ۹۹، جلد ۸ ص ۴۳، ج ا ص ۳ ج ۱۴ ص ۵ ج ۱۸ ص ۹۰ مین ملاحظہ ہو،

۲- کتاب الاکبر من احکام شرائع الاسلام: اس کتاب کا نام صرف ج ا ص ۳۶ پر مذکور ہے، مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے زمانہ تصنیف تک یہ کتاب یا تو غیر مکمل تھی، یا اس کا خاکہ مصنف کے ذہن مین تھا، فرماتے ہین: "سنستقصی بیان ذلک بحکایۃ اقوال المختلفین فیہ من الصحابۃ والتابعین والمتقدمین

اور اسکی توجیہ و تاویل اور اپنے مختار اقوال کو بھی مدلل لکھا ہے،

امام طبری نے تفسیر مین اختلاف مصاحف و اختلاف قرأت کا بیان بھی کیا ہے، اور ان قرأتوں کی توجیہ و تاویل اور کوفہ و بصرہ و دیگر بلاد کے قراء کے اختلاف آراء کی تصریح کے ساتھ اپنی مختار قرأت کو بھی لکھا ہے، اگر قرأۃ کے ان بکھرے ہوئے جواہر پارون کو تفسیر سے چن کر الگ ترتیب دیا جائے، تو قرأت کی ایک اہم کتاب معرض وجود مین آسکتی ہے، جو اگرچہ طبری کی اصل کتاب القرات کی طرح مفصل تو نہ ہوگی، لیکن اس کا جوہر و خلاصہ بن سکتی ہے،

۵۔ کتاب المسائل الکلامیۃ والرد علی الفرق المبتدعۃ: عقائد و علم الکلام کے مسائل کی تبیین اور فرق باطلہ کی تردید و ابطال تفسیر طبری کی خاص شان ہے، ان اجزاء

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۱) والمتاخرین فی کتابنا الاکبر من احکام شرائع الاسلام الخ،

۳۔ کتاب البیان عن اصول الاحکام اس کتاب کے لئے تفسیر کے صفحات ج ۱ ص ۱۸۱، ج ۱ ص ۲۰۲، ج ۱ ص ۳۰۴، اور ج ۲ ص ۲۹، ج ۹ ص ۲۶، ج ۱۵ ص ۵۱ ملاحظہ ہون،

۴۔ کتاب الرسالۃ من لطیف القول فی البیان عن اصول الاحکام، ملاحظہ ہو جلد ۱ ص ۲۰۲، میرا خیال ہے کہ اسی کتاب کا نام ج ۱۸ ص ۵۹ مین لطیف البیان عن اصول الاحکام اور ج ۲ ص ۲۵۲ پر لطیف القول من البیان عن اصول الاحکام ہے بہت ممکن ہے کہ یہ کتاب لطیف فی احکام شرائع الاسلام ہی کا کوئی رسالہ ہو جس مین امام طبری نے اصول فقہ، اجماع، اخبار احاد، مراسیل، ناسخ و منسوخ اور دیگر مباحث پر روشنی ڈالی ہے، اس رسالہ کا ذکر یاقوت نے معجم الادباء مین کیا ہے، ملاحظہ ہو الادباء: ج ۱۸ ص ۴۴،

۵۔ کتاب الایمان: ص ۱۴۱ ج ۲، کے علاوہ اور کہین اس کا نام نہین ملتا، کتاب الشروط، کتاب الوصایا اور کتاب ادب القاضی وغیرہ کی طرح یہ بھی امام طبری کا فقہی رسالہ معلوم ہوتا ہے،

۶۔ کتاب الجراح معلوم نہین یہ کتاب کس فن مین تھی، نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید طب مین تھی، ارشاد ج ۱۸ ص ۵۵ مین اس کا نام آیا ہے امام طبری کو طب مین اچھی دستگاہ حاصل تھی، ملاحظہ ہو الادباء ج ۱۸ ص ۶۱،

۷۔ کتاب الصلوۃ ابن الندیم نے کتاب الفہرست ص ۳۲۶ مین اور خود امام طبری نے تفسیر کی آخر جلد مین ص ۲۲ اس کتاب کا ذکر کیا ہے،

کو اگر ترتیب دیا جائے تو علم الکلام کا ایک بصیرت افروز اور قابل اعتماد رسالہ تیار ہو سکتا ہے،

۶۔ مختارات الطبری: تفسیر طبری شروع سے آخر تک جملہ و اولی الاقوال بالصواب عندی سے بھری ہوئی ہے، اس جملہ کے تحت مین مصنف معانی و اعراب اور بلاغت و قرأۃ وغیرہ کے اختلافات و توجیہات بیان کرنے کے بعد اپنے اختیار کردہ قول کا ذکر کرتے ہین، ان کے اقوال کے مجموعہ کو مختارات الطبری کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے، جو لغوی، نحوی، اور تفسیری مسائل مین امام طبری کے مختارات کا مرقع ہوگا،

۷۔ کتاب اسباب النزول: آیات قرآنیہ کے شان نزول کا علم بھی تفسیر کا ایک اہم شعبہ ہے، اگر اسباب نزول سے متعلق تفسیر طبری کی تمام روایتون کا استقصاء کرکے ان کو جمع کر لیا جائے، تو اسباب النزول کا مستند قیمتی اضافہ ہو سکتا ہے،

اسی طرح تفسیر طبری مین اور مضامین مثلاً، اصول، فقہ، احکام وغیرہ ہین، جن کو یکجا ترتیب دینے سے قیمتی و کارآمد مجموعے تیار ہو سکتے ہین،

اگر مذکورہ بالا خاکہ کے مطابق تفسیر طبری پر کام کیا جائے تو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا، کہ ایک ایک مضمون کے بیش بہا اجزاء جو تفسیر کے ہزارون صفحات مین بکھرے پڑے ہین، مرتب ہو جائین گے، اور شائقین کو بسہولت تمام معانی، اعراب، تجوید و قرأت اور تفسیر کے دیگر مضامین سے استفادہ کا موقع ملیگا، اس کے علاوہ اس تفسیر کی اہمیت و خصوصیت اور اس کی امتیازی حیثیت نمایان اور روشن ہو جائیگی، تفسیر طبری کے اس تجزیہ سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ تفسیر صرف روایات کا مجموعہ نہین ہے، بلکہ اس کے صفحات مین نحو و صرف کے قیمتی مباحث، فصاحت و بلاغت کے دقیق مسائل، فقہی استنباطات و قرآنی نکات و دیگر علمی مباحث کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ محفوظ ہے،

اس مین شبہ نہین کہ یہ کام بہت مشکل ہے، لیکن ایک ایک مضمون کا بیڑا اگر مختلف ارباب علم اٹھالین تو بڑی آسانی سے یہ کام انجام پا سکتا ہے،

الحمد للہ کہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی معانی القرآن للطبری کی ترتیب و تالیف، دار التالیف والترجمہ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے زیر نگرانی راقم السطور کے ہاتھوں ایک عرصہ دراز کی عرق ریزی کے بعد اختتام کو پہنچ چکی ہے، اور مولانا عبد الرحمن الکاشغری کی رہنمائی میں اس کتاب کی باقاعدہ ترتیب و ترجمہ اور ضروری امور کی تفتیش و تصریح کا کام بھی شروع ہو چکا ہے،

حسب تصریح بالا اس کتاب میں الفاظ قرآنیہ کے معانی اور ان کی لغوی تحقیق سے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین وائمہ لغات کی روایات و اقوال کو مع بیان شواہد حسب بیان طبری جمع کر دیا گیا ہے، اس طرح لغات قرآن کا ایک معتبر و مستند مجموعہ تیار ہو گیا ہے، اس کتاب کو اس اعتبار سے کہ اس میں سارے الفاظ امام طبریؒ کے ہیں، مفردات راغب اصفہانی جیسی کتاب پر بھی فوقیت حاصل ہے، اور اس سے علماء و شائقین کے لئے یہ آسانی ہو گئی ہے کہ وہ تحقیق الفاظ قرآنیہ کے لئے تفسیر طبری جیسی ضخیم و کمیاب کتاب کی تلاش و جستجو سے بچ جائیں گے، اور اس کتاب سے کم سے کم وقت میں استفادہ کر سکیں گے،

اخیر میں پرنسپل مدرسہ عالیہ مولانا ضیاء الحق صاحب ایم اے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی عنایت و شفقت نے اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کا موقع ہم پہونچایا ہے، فالحمد للہ وما توفیقی الا باللہ۔

ادبیات

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

خوشا وہ جذبۂ وحشت زہے وہ جامہ دری
کیا کرے کوئی تارِ نگہ سے بخیہ گری

نہ تھا قرینِ ادب ادعائے حق نگری
وہاں قبول ہوا اعتراف کم نظری

اندھیری رات بھی روشن ہے کیا تصور ہے
وہ طلعتِ رُخ محبوب و لیلۃ القمری

گئی بہار تو کیا دے گئی گلستاں کو
کہ شاخ شاخ کو ہے شکوۂ بے ثمری

نسیم تجھ کو خدا اور خوشخرام کرے
اذا لقیت حبیبی فقل لہ خبری

خلاصہ حرف و حکایات و علم و عرفاں کا
حدیثِ عشق ہے باقی تمام دردسری

کہاں مقام طلب میں ترا گزر زاہد
تجھے نصیب ہوئی بیدلی نہ بے جگری

خود اپنا راہ نما ہے شعورِ انسانی
نہ حکمتِ عملی ہے، نہ حکمتِ نظری

وہاں سے اہلِ خرد اور نامراد آئے
ہوئی تو رحم کے قابل ہماری بے ہنری

درِ قبول نہیں بند، مانگنے والے
دعا کی بے اثری ہے زبان کی بے اثری

صبا گلوں کو ہنسا دے کہ گریۂ شبنم
سکھا نہ دے چمنستاں کو رسم نوحہ گری

نظر سے سارے حجابات اٹھتے جاتے ہیں
عجب مقام ہے اے دل مقام بے خبری

مٹوں تو ذرے سے لاکھوں ستارے پیدا ہوں
کہ میری خاک میں ہے جذبۂ حیات گری

نظر کا ذوق بقدرِ نقاب بڑھتا ہے — ترا حجاب نہ ہوجائے وجہ پردہ دری

ہمیں بھی یاد کرینگے تری گلی والے — کہ پھر کہاں پس دیوار نالہ سحری

مرے چمن کو ملا بھی تو باغبان ایسا — کہ جس کے دور میں دیکھی نہ کوئی شاخ ہری

اٹھو شفیق کہ بستر پہ کروٹیں کب تک

ستارے ڈوب چکے شمع ہو چکی سفری

نقاشِ فطرت

از جناب یحییٰ اعظمی

فطرت کے قلم کی گلکاری کس درجہ ہے لائق دیدہ وری — ہیں رنگ برنگ کے پھول کھلے پتے ہیں سرِ شاخیں ہیں ہری

یہ چاند یہ سورج یہ انجم، یہ بزمِ فلک تاروں سے بھری — سوچا بھی ہے غافل تو نے کبھی کس حسن کی ہے یہ جلوہ گری

اس کون و مکاں کا ہر ذرہ ہے کس کے فیض سے نورانی — ہیں کس کی پرتو افشانی، یہ دن شمسی راتیں قمری

یہ مزرعِ عالم یہ گیتی دیکھو تو ہے از سرتا بہ قدم — پودوں سے سجی پھولوں سے لدی خوشبو سے پٹی ذوق سے بھری

ہے کس کے خامۂ رنگیں کی نقش آرائی دشور انگیزی — اُف گُل کی یہ چہرہ افروزی بلبل کی یہ شوریدہ جگری

یہ حمد و ثنا کے نغمے یہ گلبانگ دعا اللہ اللہ — ہیں زمزمہ سنجانِ گلشن مصروف نواہائے سحری

اس گلکدۂ فطرت میں اگر ہو ذوقِ تماشا ذوقِ نظر — دیکھے کوئی پتے پتے پر نقاشِ ازل کی نقش گری

اب بھی نہ کسی کو نظر آئیں گر حسنِ حقیقت کے جلوے — ہے ذہن کی یہ نارسائی ہے فکر کی یہ بے بال و پری

ہے ورنہ چمن کا ہر ذرہ اسرار و معارف کا دفتر

ہے تیری ہی نادان کم نگہی ہے تیری ہی غافل کم نظری

مطبوعات جدیدہ

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اُن کی دینی دعوت } از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت للعہ پتہ: مکتبۃ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت سے مذہبی طبقہ پوری طرح واقف ہے، اس زمانہ میں جب کہ مسلمان عام طور سے اپنے مذہب سے ناواقف و بیگانہ ہیں، دیندار مسلمانوں کا سب سے مقدم فرض ان کی اصلاح اور ان کو مسلمان بنانا ہے، مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے بعد اُن کی جماعت جس اخلاص اور جوش عمل کے ساتھ اس فرض کو انجام دے رہی ہے، اس کی مثال گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی، اس کتاب میں مولانا کے سوانح اُن کی دعوت اور اس کے نتائج کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، مولانا کی ذات سراپا عمل اور سلف صالحین کا نمونہ تھی، اور اصلاحی و تبلیغی دعوت اُن کے دل و دماغ پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ ان کی ہر نقل و حرکت، ہر قول و عمل اور ہر لمحہ اس کے لئے وقف تھا، اور اُن کی پوری زندگی عبارت تھی تبلیغ سے، فاضل مصنف کے دل میں بھی دین و خدمت دین کی وہی لگن ہے، اور وہ اس دعوت کے ایک پرجوش داعی ہیں، اس لئے اس کتاب میں مولانا محمد الیاس کے سوانح کے ساتھ دین کی پوری روح اور تبلیغ کا پورا نظام آگیا ہے، اور وہ دین کا درس اور تبلیغ دین کا نصاب بن گئی ہے، اور مصنف کے اخلاص کی یہ تاثیر ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اصلاح و تبلیغ کا ولولہ پیدا ہوتا ہے کتاب کے شروع میں حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے اصلاح و تبلیغ کے فریضہ اور اس کے اصولوں اور طریقوں پر نہایت حکیمانہ تبصرہ ہے، جس سے اس کام میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر مسلمان کو

اس کا مطالعہ کرنا چاہئے،

ریان، از جناب مولانا سید لائق علی صاحب قاسمی، کاغذ کتابت وطباعت بہتر،
ضخامت ۱۵۲ صفحے قیمت تحریر نہین، پتہ:۔ کتب خانہ محمودیہ مدرسہ دارالعلوم جامع
مسجد، میرٹھ، و مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی،

ہوائے نفس اور مادی کثافتون سے تطہیر اور روحانی تزکیہ کا ایک بڑا ذریعہ روزہ بھی ہے
اس لئے وہ تقریباً تمام مذاہب مین کسی نہ کسی شکل مین موجود ہے، اور اسلام مین اس کی سب سے زیادہ
مکمل اور جامع صورت ہے، روزہ محض فاقہ کا نام نہین ہے، بلکہ اس کے بہت سے لوازم و شرائط
ہین جن کی تکمیل کے بغیر روزہ حقیقی معنون مین روزہ نہین کہا جاسکتا، اس کتاب مین اس کی تفصیل بیان
کی گئی ہے، اور روزہ کی حقیقت، دوسرے مذاہب مین اس کی تاریخ، اسلام مین فرض روزون سے
پہلے کے روزے، ان کے اقسام، فضائل رمضان، روزے کے تدریجی احکام، ان کی عقلی حیثیت، نوافل
اور رمضان سے متعلق دوسری عبادتون تہجد، تراویح، شب قدر اور عید الفطر وغیرہ کے احکام و مصالح
پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور ضمناً دوسری اسلامی عبادتون اور ان کی غرض و غایت کے متعلق
بھی مفید معلومات آگئے ہین، کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع ہے، ایک مقام پر خفیف سا تسامح
ہوگیا ہے، دن کو روزہ رکھنے اور راتون کو عبادت کرنے کا جو واقعہ حضرت عمرو بن العاص کی جانب
منسوب کیا گیا ہے، وہ ان کا نہین، بلکہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرو کا ہے (بخاری
باب حق الجسم فی الصوم)

تحقیقات: از جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۴، صفحے کاغذ
کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ جلیل اکیڈمی بریلی،

مصنف اردو کے مشہور ادیب اور صاحب نظر نقاد ہین تحقیقات ان کے ادبی و تنقیدی اور بعض

علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، ان مین سند، جوش کی لسانی غلطیان، ترانہ، دوبیتی، رباعی، یزدان شکار
اور اینتش کی تحقیق و پاکٹہ امن رضیہ اردو فارسی ادبیات پر مصنف کی وسعتِ نگاہ، دقتِ نظر اور ذوقِ تحقیق
کے شاہد ہین، مرح یا ہجو گو مختصر ہے مگر اس مین ایک مفید انکشاف اور ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ہے جس مین
بہت سے خواص تک مبتلا ہین، آزاد نظم مین ترقی پسند شاعرون کی حقیقت خوب واضح کی گئی ہے، البتہ خواجہ حافظ
کی شراب وشاہد مین مصنف کا دعویٰ قابل بحث ہے، یہ نہین کہا جاتا کہ حافظ کے ہر شعر کو بادۂ معرفت کا جام
اور ان کے شاہد کو شاہد حقیقی مانا جائے لیکن اس سے حافظ کی بادہ نوشی اور شاہد بازی کا نتیجہ نکالنا بھی صحیح
نہین ہے اگر شاعری کے مضامین ہی واقعہ کا ثبوت ہو سکتے ہین تو پھر اردو فارسی کے کسی شاعر کا دامن اس سے
پاک نہین نکل سکتا جس کو شاید مصنف بھی ماننے کے لئے آمادہ نہ ہون، درحقیقت عشق و محبت اور ہجر و وصال
وغیرہ کی طرح شراب وشاہد کے مضامین بھی ہمیشہ سے شاعری کا جزو رہے ہین اس لئے اگر ان مضامین کو
شاعر کی آپ بیتی تصور نہین کیا جاتا بلکہ محض شاعرانہ تخیل مانا جاتا ہے تو پھر حافظ کی شراب وشاہد کو ان کی
ذاتی روداد کیون فرض کیا جائے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب اردو ادب کا ذوق رکھنے والون کے مطالعہ
کے لائق ہے،

مسلمانانِ عالم کی کمزوری کے بنیادی اسباب اور ان کا قرآنی علاج از مولانا محمد منظور صاحب مدیر الفرقان، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت
وطباعت بہتر قیمت ۶ر، پتہ:۔ مکتبہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ،

قرآن مجید مسلمانون کی اخروی فلاح وسعادت کے ساتھ ان کی دنیاوی کامیابی کا بھی صحیفہ ہے،
یعنی اس کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر ان کو دنیاوی ترقی بھی حاصل نہین ہو سکتی اور ان کے زوال کا بڑا سبب
ان سے غفلت ولاپروائی ہے اس لئے اگر دنیاوی ترقی کے لئے بھی مادی تدبیرون کے ساتھ قرآن کی بتلائی
ہوئی تدبیرون پر عمل ضروری ہے، اس رسالہ مین اسی نقطۂ نظر سے آیات قرآنی سے مسلمانون کے زوال کے

اسباب بیان کرکے ان کی قرآنی تدبیرین بتائی گئی ہین اس لئے ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے،

مشکوٰۃ الصّلوات مرتبہ جناب پروفیسر مولوی محمد الیاس صاحب برنی تقطیع اوسط،
ضخامت:- ۱۵۰ صفحے، قیمت: عہ، پتہ:- (۱) مرتب بیت السلام سیفؔ آباد
حیدرآباد دکن (۲) شرف الدین واولادہ تاجر کتب نمبر ۲۹، محمد علی روڈ بمبئی (۳)
تاج کمپنی تاجر کتب لاہور پاکستان،

فاضل مرتب نے عرصہ ہوا، کلام مجید، کتب احادیث اور صلحاء و اخیار کی معتبر کتب اوراد سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل، درود وسلام اور ماثورہ دعاؤن کا ایک مجموعہ مشکوٰۃ الصلوٰۃ کے نام سے
مرتب کیا تھا اور پڑھنے والون کی سہولت کے لئے ہفتہ کے حساب سے سات جزون مین اس کو تقسیم کردیا تھا،
یہ مجموعہ اتنا مقبول ہوا کہ اسکے کئی اڈیشن شائع ہوئے یہ نیا اڈیشن خوبصورت ٹائپ مین چھپا ہے، ٹائٹل
بھی دیدہ زیب ہے، اور حسن ظاہر و حسن معنی دونون حیثیتون سے خوش اوقات اصحاب ذوق
کے ورد مین رہنے کے لائق ہے،

اردو ہندی ٹیچر، از جناب محمد ابو القاسم صاحب حیدری، تقطیع چھوٹی، ضخامت
۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتہ جلیل اکیڈمی، بریلی،

جب سے ہندی حکومت کی زبان قرار پائی ہے، اور اس کا سیکھنا ضروری ہوگیا ہے،
اس وقت سے اردو خوانون کی ہندی سے ابتدائی واقفیت کے لئے متعدد اردو ہندی ریڈرین
شائع ہوچکی ہین، اردو ہندی ٹیچر بھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اسی قسم کی کتاب ہے اس سے
ابتدائی ہندی آسانی کے ساتھ سیکھی جاسکتی ہے،

"م"

جلد ۶۲ ماہ ذیحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۸ء عیسوی عدد ۴

مضامین

مقالات

باب المراسلہ

ادبیات

اعلان

ملک کے فسادات اور تقسیم ہندوستان اور بعض اور وجوہ سے بعض خریداران معارف اپنے مستقر کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہین اسلئے معارف کے بہت کافی پرچے واپس آرہے ہین، اسلئے گذارش ہے کہ خریداران معارف اپنے موجودہ پتہ سے دفتر کو جلد از جلد مطلع کردین نیز اپنی ڈاک کی حفاظت کا انتظام کرلین تاکہ دفتر کو دوبارہ پرچہ بھیجنے کی دشواری نہ ہو معارف ڈاکخانہ کے قاعدہ کے مطابق ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو نہایت پابندی سے شائع ہوجاتا ہے اگر خدانخواستہ اسکے خلاف کبھی ہوا تو خریدارون کو بذریعہ کارڈ اسکی اطلاع دیجائے گی، اب تک بحمد اللہ کبھی تاخیر نہین ہوئی،